بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا وَإِيَّايَ فَاتَّقُونِ

اور میری آیات کو تھوڑی قیمت کے بدلے نہ بیچو
اور مجھ ہی سے ڈرو — (البقرۃ:۴۱)

دینداری
یا
دُکانداری

رابطہ کے لئے

سعید احمد

مسجد توحید

سیکٹر 51/C، کورنگی، کراچی
فون نمبر: 0333-3611556

فہرست عنوانات

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱۔	علمائے بنی اسرائیل اور اس امت کے علماء کا ایک تقابل	۳
۲۔	انبیاء علیہم السلام دین پر معاوضہ نہ لیتے تھے	۴
۳۔	انبیاء علیہم السلام کا اپنے ہاتھ سے کسب معاش کرنا	۵
۴۔	دینی امور پر اجرت قرآن کی رو سے	۶
۵۔	احادیث کی رو سے دینی امور پر اجرت	۸
۶۔	صحیح احادیث کو جھٹلانے کا پیشہ ورانہ انداز	۹
۷۔	عبادۃ بن الصامتؓ کی کمان والی روایت ضعیف نہیں	۱۱
۸۔	احادیث کی من مانی تاویل و توجیہہ	۱۲
۹۔	بخاری کی "دَم" والی روایت سے غلط استدلال	۱۴
۱۰۔	قرآن کو مہر بنائے جانے سے اجرت پر باطل استدلال	۲۰
۱۱۔	دین پر اجرت کے دفاع میں عمرؓ بن خطاب پر الزام	۲۳
۱۲۔	نماز کا اجر آخرت میں، نہ کہ دنیا میں (القرآن)	۲۶
۱۳۔	اماموں، خطیبوں اور حافظوں کا طرزِ عمل	۲۷
۱۴۔	کسب معاش کے سلسلے میں رسول ﷺ کی تعلیم اور صحابہؓ پر اس کا اثر	۲۹
۱۵۔	آخرت کا اجر کن لوگوں کے لئے ہے؟	۳۴

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے آخری رسول ﷺ نے اپنی امت کے بارے میں فرمایا تھا :

لَتَتَّبِعُنَّ سنن مَن كان قبلكم (بخاری، کتاب الاعتصام ،باب قول النبی ﷺ لتتبعن ....)

"تم گزشتہ امتوں کی ضرور پوری طرح پیروی اختیار کرو گے۔"

یہ پیشین گوئی آج حقیقت کے روپ میں سب کے سامنے ہے، کون سا ایسا کام ہے جو گزشتہ امتوں نے کیا ہو اور انہوں نے چھوڑ دیا ہو۔ قبر پرستی کی لعنت ہو یا پیروں اور مولویوں کو رب بنانے کا معاملہ، غرض سر کشی و نافرمانی کا کوئی ایسا کام نہیں جو اُنہوں نے اختیار کیا ہو اور انہوں نے اُسے ترک کیا ہو۔ بات محض عوام کالانعام کی حد تک ہی نہیں بلکہ اس امت کے پیر اور مولوی نے گزشتہ امتوں کے پیروں اور مولویوں کی قدرے نہیں بلکہ مکمل طور پر تقلید اور پیروی اختیار کی ہے۔ وہ حق اور باطل میں تلبیس کیا کرتے تھے اور انہیں بھی یہ کام بے حد مرغوب ہے۔ وہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے تھے اور ان کا گذارا بھی اس کے بغیر نہیں ہوتا۔ ان کا کام چلتا ہی اس وقت ہے جب یہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے روک دیں۔ اُنہوں نے دینداری کی آڑ میں دکانداری کی تو یہ بھی دین کی آڑ میں اپنی دکان چمکائے ہوئے ہیں۔ اور اس معاملے میں تو انہوں نے حد ہی کر دی ہے۔ پورے دین کو گویا منافع بخش پیداواری صنعت بنا دیا ہے۔ ان کے یہاں نماز بکتی ہے، ان کے امام اور موذن بغیر اجرت کے یہ امور انجام نہیں دیتے۔ قرآن و حدیث کا بیوپار کیا جا رہا ہے۔ قرآن پڑھنا اور سکھانا ایک پیشہ بن گیا ہے جس کو دنیا کمانے کیلئے اختیار کیا جاتا ہے۔ مولوی صاحب قرآن کی تعلیم بغیر اجرت لئے نہیں دیتے۔ مفتیانِ دین باقاعدہ تنخواہ لیکر فتویٰ دیتے ہیں۔ نکاح خوشی کا موقع ہوتا ہے تو قاضی صاحب جب تک نکاح پڑھانے کی زیادہ سے زیادہ اجرت نہ لے لیں خوش ہی نہیں ہوتے۔ بچے کے کان میں اذان دینے کا نذرانہ وصول کیا جاتا ہے۔ "بِسۡمِ اللّٰہ" اور "اَلَمۡ نَشۡرَحۡ" نامی بدعتی رسومات بھی مولوی صاحب کے پیٹ کی آگ بجھانے کے سامان ہیں۔ اور بے شمار معاملات ہیں جو انسانی زندگی کیلئے لازم و ملزوم کر دئے گئے ہیں۔ مگر افسوس کہ مولوی صاحب مرنے پر بھی اس

معاملے کو ختم نہیں ہونے دیتے بلکہ "کڑوی روٹی" فاتحہ خوانی سے شروع کر کے تیجہ، دسواں، بیسواں، چالیسواں اور برسی کی صورت میں میت کے لواحقین سے "بھتہ" وصول کرتے رہتے ہیں کیونکہ مرنے والا مر اہے مولوی صاحب تو تازہ دم ہیں، یہ تو جیتے جی نہیں مر سکتے، اور جینے کیلئے کھانا اور کمانا ازبس ضروری ہے! قرآن بنی اسرائیل کے علماء کی یہی روش بتاتا ہے کہ وہ لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھاتے تھے اور انہیں اللہ کے راستے سے بھی روکتے تھے :

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ط (التوبہ ۳۴)

"اے ایمان والو! ان مولویوں اور پیروں کی اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو لوگوں کا مال باطل طریقوں سے کھاتے ہیں اور انہیں اللہ کے راستے سے روک دیتے ہیں۔"

آج یہی طرز عمل اِس امت کے پیروں اور مولویوں کا ہے۔ یہ لوگ بھی محولہ بالا آیت کا پوری طرح مصداق بنے ہوئے ہیں۔ قرآن و سنت کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔ ورنہ قرآن و حدیث میں دین داری کو دکان داری بنانے کی شدید مذمت آئی ہے۔ اِس امت کے پیر اور مولوی اپنے آپ کو انبیاءؑ کا وارث قرار دیتے ہیں در آں حالیکہ جتنے بھی انبیاءؑ مبعوث ہوئے ہیں ہر ایک نے اپنی قوم سے یہی کہا ہے کہ ہم تم سے کسی قسم کا مال و متاع اور اجرت نہیں مانگتے بلکہ ہمارا اجر تو اللہ رب العالمین کے پاس ہے۔ نوح علیہ السلام نے فرمایا :

وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالاً ط اِنْ اَجْرِىَ اِلاَّ عَلَى اللّٰهِ (هود ۲۹)

"اے میری قوم میں تم سے اس (دین) پر مال نہیں مانگتا، میرا اجر اللہ کے پاس ہے۔"

ھود علیہ السلام نے فرمایا :

يٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ط اِنْ اَجْرِىَ اِلاَّ عَلَى الَّذِىْ فَطَرَنِىْ ط (هود ۵۱)

"اے میری قوم! میں تم سے اس (دین) پر اجرت نہیں مانگتا، میرا اجر تو مجھے پیدا کرنے والے کے ذمے ہے۔"

اور صالح علیہ السلام نے فرمایا :

وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ط اِنْ اَجْرِىَ اِلاَّ عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿﴾ (الشعراء ۱۴۵)

"اور میں تم سے اس پر اجرت نہیں مانگتا، میرا اجر تو اللہ رب العالمین کے پاس ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول ﷺ کو بھی یہی حکم دیا کہ

قُلْ مَاسَاَلْتُکُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَھُوَ لَکُمْ ط اِنْ اَجْرِیَ اِلاَّ عَلَی اللّٰہِ ج وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَھِیْدٌ ﴿﴾ (سبا ۴۷)

"(اے نبیؐ!) کہدو کہ میں نے (دین پر) تم سے کچھ اجرت مانگی ہو تو وہ تمہاری، میرا اجر تو اللہ کے ذمہ ہے اور وہ ہر چیز سے باخبر ہے۔"

قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا ط اِنْ ھُوَ اِلاَّ ذِکْرٰی لِلْعٰلَمِیْنَ ﴿﴾ (الانعام ۹۱)

"(اے نبیؐ!) کہدو کہ میں تم سے اس (قرآن) پر اجرت نہیں مانگتا، یہ تو تمام عالم کیلئے نصیحت ہے۔"

انبیاءؑ کی اتباع کرنے کی بنیادی وجہ من جانب اللہ مامور ہونے کے علاوہ یہ بھی ہے کہ وہ دین پر قوم سے کسی بھی قسم کے اجر کے طلبگار نہیں ہوتے اور ہدایت یافتہ ہوتے ہیں:

اتَّبِعُوْا مَنْ لاَّیَسْئَلُکُمْ اَجْرًاوَّھُمْ مُّھْتَدُوْنَ ﴿﴾ (یسٓ ۲۱)

"رسولوں کی اتباع کرو جو تم سے کوئی اجر نہیں مانگتے اور جو ہدایت یافتہ ہیں۔"

قرآن سے معلوم ہوا کہ تمام انبیاء کا طرز عمل یہی رہا ہے کہ انہوں نے دین پر دنیا والوں سے کسی بھی قسم کا اجر، مال، ہدیہ طلب یا وصول نہیں کیا ہے۔ بلکہ وہ تمام کے تمام اللہ ہی سے اجر کے طالب رہے۔

قرآن کے حوالے سے کی گئی ان گذارشات پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ انبیاءؑ تبلیغ واشاعت دین پر اجرت نہیں لیتے تھے تو ان کا گزربسر کس طرح ہوا کرتا تھا۔ قرآن وسنت کے بیان پر اس قسم کے اعتراض واشکال عائد کرنے والے دراصل ایمان وانابت کی صفات سے قطعاً عاری ہیں ورنہ ان کا ایمان تو یہ ہونا چاہیئے کہ قرآن وسنت کی تمام باتیں حق ہیں۔ قرآن میں آ گیا کہ انبیاء علیہم السلام نے دین پر دنیا والوں سے کسی بھی قسم کا اجر نہیں لیا تو ایمانداروں کے لئے بس یہی کافی ہے، پھر وہ اس کھوج میں نہیں رہتے کہ انبیاء علیہم السلام کہاں سے کھاتے تھے اور کس طرح گزر بسر کیا کرتے تھے۔ یہ تو ہے ایمان والوں کی شان، رہے وہ لوگ جن کا دین سے تعلق محض دنیا کمانے کا ہے وہ ضرور اس طرح کی باتیں کرتے ہیں۔ احادیث میں ان کے اس اشکال کا بھی بڑا ہی واضح جواب موجود ہے۔

اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام جن کو اللہ نے حکومت واقتدار سے نوازا تھا وہ اپنی تمام تر شان و شوکت کے باوجود اپنے ہاتھ سے کام کر کے روزی کمایا کرتے تھے :

انّ داوٗد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان لا یاکل الامِن عمل یدہٖ

(بخاری، کتاب البیوع، باب کسب الرجل عملہ بیدہ)

"اللہ کے نبی داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام صرف اپنے ہاتھ سے کام کر کے روزی حاصل کرتے تھے۔

زکریا علیہ السلام اپنی معاش بڑھئی کا کام کر کے حاصل کرتے تھے جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا :

کان زکریا نجارا (مسلم، کتاب الفضائل، باب فضائل زکریا علیہ السلام)

"زکریا علیہ السلام بڑھئی تھے۔"

انبیاءؑ کے معاش کے متعلق نبی ﷺ کا یہ فرمان بھی پیش نظر رہے کہ

عن النبی ﷺ قالَ ما بَعَثَ اللہُ نبیاً اِلا رَعَی الغَنَم فقال اصحابُہٗ و انتَ فَقالَ نعم کنتُ اَرْعاھَا علٰی قراریط لاھل مکۃ (بخاری، کتاب الاجارۃ، باب رعی الغنم علی قراریط)

"نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔ صحابہؓ نے پوچھا اور آپ نے بھی ؟ فرمایا کہ ہاں، میں بھی مکہ والوں کی بکریاں چند قیراط کی اجرت پر چرایا کرتا تھا۔"

یہ تھا انبیاء علیہم السلام کا طرز عمل جنھوں نے دنیا والوں سے دین پر کسی بھی قسم کی کوئی اجرت نہیں لی بلکہ وہ اپنی معاش اپنے ہاتھوں سے کسب کر کے حاصل کرتے تھے۔ تو پھر یہ کیسے ورثۃ الانبیاء ہیں جو دین کے ایک ایک کام پر اجرت، نذرانے اور وظیفے وصول کرتے ہیں۔

قرآن و حدیث نے دینداری کو دکانداری بنانے سے بڑی شدت سے روکا ہے۔ سب سے پہلے قرآن ملاحظہ ہو :

القران

وَلَاتَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلاً ز وَّاِیَّایَ فَاتَّقُوْنِ ﴿۴۱﴾ (البقرۃ ۴۱)

"اور میری آیات کو تھوڑی قیمت کے بدلے مت بیچو اور مجھ ہی سے ڈرو۔"

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ الْکِتٰبِ وَیَشْتَرُوْنَ بِہٖ ثَمَناً قَلِیْلاً لا اُولٰٓئِکَ مَایَاْ کُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِہِمْ اِلَّاالنَّارَ وَلَایُکَلِّمُہُمُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَلَا یُزَکِّیْہِمْ صلے ج

وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۴﴾ (البقرة ۱۷۴)

"جو لوگ ان باتوں کو چھپاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں نازل فرمائی ہیں اور اسکے عوض کچھ (دنیوی) مفادات حاصل کرتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں، ایسے لوگوں سے اللہ قیامت کے دن نہ کلام کریگا اور نہ ان کو گناہوں سے پاک کریگا اور انکے لئے دردناک عذاب ہے۔"

اہل کتاب میں سے کچھ علم والے جو نبی برحق ﷺ پر ایمان لے آئے تھے ان کی اس امتیازی صفت کا قرآن میں خصوصیت سے ذکر کیا گیا ہے :

خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ (آل عمران ۱۹۹)

"(وہ لوگ) اللہ سے ڈرنیوالے ہیں اور اللہ کی آیات کو تھوڑی سی قیمت پر نہیں بیچ دیتے"

واضح کیا گیا کہ اللہ سے ڈرنے والے خوف و خشیت کے حامل علم والوں کی یہ صفت ہوتی ہے کہ وہ دینی کام کی اجرت کے طلبگار نہیں ہوا کرتے۔

قرآن کی ان واضح آیات کے علی الرغم دین کو کھانے کمانے کا ذریعہ بنایا گیا۔ طرفہ تماشہ یہ ہے کہ دینی امور پر اجرت وصول کرنے کے باوجود یہ سب سے زیادہ دیندار، پرہیزگار اور متقی سمجھے جاتے ہیں۔ دین کو دکانداری بناڈالنے والے قرآن کے احکامات کو اچھی طرح جانتے ہیں مگر فن دینداری کے تحت تاویلات و توجیہات کے ذریعہ انہیں گذشتہ امت کے لئے مخصوص کرتے ہیں کہ یہ بنی اسرائیل کا طرز عمل تھا، انہیں اس سے روکا گیا تھا۔ یہ بھی عجیب بات ہے کہ قرآن کے ذریعہ جس روش سے روکا جائے اور جس چیز کی شناعت بیان کی جائے اس کو صرف اور صرف گذشتہ اقوام ہی کے لئے مخصوص کردیا جائے! قرآن میں جن چیزوں سے روکا گیا ہے تو کیا حاملین قرآن ان چیزوں اور ان احکامات کی پابندیوں سے مبراء ہیں؟ اور کیا قرآن میں لگائی گئی بندشوں سے یہ حاملین قرآن قطعاً آزاد ہیں؟ قرآن کی آیت "اللہ کی آیات کو مت بیچو" میں لگائی گئی پابندی کو بنی اسرائیل تک محدود کردینا قطعاً بے جواز ہے اور اپنی دکانداری کو قائم رکھنے کا محض حیلہ! ان ماہرین فن کے لئے زیر نظر حدیث ایک تازیانہ ہے، اگر یہ محسوس کرلیں۔ ملاحظہ ہو :

عن ابی ھریرۃ عن النبی ﷺ قال لاتقوم الساعۃ حتی تاخُذَ امتی باخذ القرونِ قبلھا شبرًا بشبْرٍ و ذراعاً بذراعٍ فقیل یارسول اللہ کفارسَ والرُوم قال ومَن

الناسُ الاّ اولئك (صحیح بخاری، کتاب الاعتصام، باب قول النبی ﷺ لتتبعن۔)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہو گی جب تک میری امت اس طرح پچھلی امتوں کے مطابق نہیں ہو جائے گی جسطرح بالشت بالشت کے اور گز گز کے ہوتا ہے۔ پوچھا گیا یارسول اللہ! کیا فارس وروم کی طرح؟ فرمایا کہ ان کے سوا اور کون۔

قرآن سے واضح ہو گیا کہ تمام انبیاء علیہم السلام نے دین پر کسی قسم کی اجرت اور مال طلب نہیں کیا، نہ ہی ھدیہ وصول کیا اور یہ بھی واضح ہوا کہ " مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ الْکِتٰبِ" کو دکانداری بنانے سے سختی سے روک دیا گیا ہے۔ حدیث کی تعلیمات بھی یہی ہیں:

حدیث

۱۔ عبدالرحمٰن بن شبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

اقرؤا القرآن ولا تغلوا فیه ولا تجفوا عنه ولا تأکلوا به ولا تستکثروا به (مسند احمد، جلد ۵، صفحہ ۴۴۴)

"قرآن پڑھو اور اس میں غلو نہ کرو اور اس سے اعراض نہ کرو، اس کو ذریعۂ معاش نہ بناؤ اور نہ ہی اس سے بہت سے دنیاوی فوائد حاصل کرو۔"

۲۔ عن عُبادةَ بن الصّامت قال عَلَّمْتُ ناسًا من اهلِ الصفة القُرْاٰنَ وَالکتاب فاهدی اِلَیَّ رجل منهم قوسًا فقلتُ لیست بمال وَاَرْمِی عنها فی سبیل اللّٰه لَاٰتِیَنَّ رسُولَ اللّٰه ﷺ فلاَسْئَلَنَّهٗ فَاَتَیْتُه فقلتُ یارسولَ اللّٰه رجلٌ اَهْدٰی اِلَیَّ قوسًا ممّن کُنْتُ اُعَلِّمُهُ الکتاب والقُراٰنَ و لیست بمال وارمی عنها فی سبیل اللّٰهِ تعالیٰ قال ان کُنْتَ تُحِبُّ ان تُطَوَّقَ طوقًا من نار فَاَقْبَلْهَا (سنن ابی داوٗد، کتاب الاجارة، باب فی کسب المعلم)

عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے اصحاب صفہ میں سے چند لوگوں کو قرآن پڑھایا اور لکھنا سکھایا تو ان میں سے ایک شخص نے مجھ کو ایک کمان تحفے میں دی۔ میں نے خیال کیا یہ کوئی مال تو ہے نہیں، میں اللہ کی راہ میں اس سے تیر چلاؤں گا، میں رسول اللہ ﷺ کے پاس جاؤں گا اور آپؐ سے پوچھوں گا۔ تو میں آپؐ کے پاس آیا اور عرض کیا یارسول اللہ ایک شخص نے جسے میں نے قرآن پڑھایا اور لکھنا سکھایا تھا، مجھے ایک کمان تحفہ میں دی ہے اور یہ کوئی مال تو ہے نہیں، میں اس سے اللہ کی راہ میں

تیر چلاؤں گا۔ آپؐ نے فرمایا، "اگر تو آگ کا طوق پہننا چاہے تو اس کمان کو لے لے۔"

۳۔ عن عمران بن حُصَين أنَّه مَرَّ على قاصٍ يقرأ ثمَّ يسألُ فاسترجع ثمَّ قال سمعتُ رسول اللهِ ﷺ يقولُ من قرأ القرآنَ فلْيسألِ اللهَ بهِ فإنَّه سيجيءُ أقوامٌ يقرؤنَ القرآنَ يسألونَ به النَّاسَ (ترمذی، کتاب فضائل القرآن)

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ ایک قصہ گو کے پاس سے گذرے جو کہ (قرآن) پڑھ کر (لوگوں سے) سوال کر رہا تھا۔ یہ دیکھ کر انہوں نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ جو قرآن پڑھے اسکو چاہئے کہ اللہ سے سوال کرے، عنقریب ایسی قومیں ہونگی جو قرآن پڑھیں گی اور اس کے ذریعہ لوگوں سے سوال کریں گی۔

۴۔ عن عثمان بن ابی العاص قال قلت یا رسول الله اجعلنی امام قومی قال انت امامهم واقتد باَضْعفهم واتخذ مؤذنا لایاخذ علی اذانه اجرا

(ابوداوٗد، کتاب الصلوٰۃ، باب اخذ الاجر علی التاذین، وترمذی، نسائی، ابن ماجه، وغیره)

عثمان بن ابی العاصؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا کہ مجھے میری قوم کا امام مقرر کر دیجئے۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ تم انکے امام ہو۔ انکی امامت کر و ضعیفوں کا خیال رکھتے ہوئے اور ایسا موذن مقرر کرو جو اذان دینے پر اجرت نہ لے۔

ان احادیث نے معاملہ بالکل ہی صاف کر دیا کہ قرآن کو ذریعہ معاش نہ بنایا جائے، یہاں تک کہ تعلیم قرآن پر کوئی تحفہ بھی قبول کرنے سے روک دیا گیا ہے۔ اذان پر اجرت دینے سے منع کر دیا گیا۔ جب اذان پر اجرت نہیں دی جاسکتی اور نہ لی جاسکتی ہے تو پھر امامت پر اجرت کا تو قطعاً جواز نہ رہا۔ اس طرح ان احادیث نے حتمی طور سے دینی امور کو ذریعہ معاش بنانے کا قطعی سدباب کر دیا اور کوئی گنجائش باقی نہ چھوڑی۔ ان احادیث کا یہی مقتضٰی اور یہی مقصود ہے۔ مگر پیٹ کے پجاری کو کب گوارا ہو سکتا ہے کہ اسکی پر تعیش معاش کا دروازہ بند کیا جائے اور وہ اسے برداشت کر لے چنانچہ انکی طرف سے اسکے دفاع میں فن دینداری کے بہت سے مظاہرات دیکھنے، سننے اور پڑھنے میں آتے ہیں۔ کبھی ان احادیث کو ضعیف بتاتے ہیں تو کبھی انکی رکیک تاویلات کرتے ہیں۔ کبھی ان احادیث کو دوسری صحیح احادیث کے غلط معنی کر کے ان سے ٹکراتے ہیں کہ کسی طرح راستے کے پتھر ہٹ جائیں اور دین کے بیوپار میں کوئی رکاوٹ حائل نہ رہے۔ اس میں ان کو کسی حد تک کامیابی بھی حاصل

ہوئی ہے اور دین ایک منافع بخش کاروبار کی شکل میں ہر جگہ موجود ہے۔ اس گمبھیر صورتحال میں مناسب ہے کہ احادیث سے اس گرد و غبار کو دور کر دیا جائے جو کہ بزعم خویش دین کے نگہبان "انبیاء کے وارثوں" کی طرف سے ڈالا جاتا ہے۔ ان کی طرف سے اپنے پیٹ کی آگ بجھانے کے لئے جو گل کھلائے جاتے ہیں، ذیل کی سطور میں ان کا تجزیہ اور محاکمہ پیش خدمت ہے۔

نمبر ا کے تحت پیش کی گئی عبدالرحمٰن بن شبل رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث، "قرآن پڑھو مگر اسکو ذریعہ معاش نہ بناؤ" کو بعینہٖ تسلیم کر لینے سے دین کو ذریعۂ معاش بنانے والوں کا پر تکلف اور آسان ترین روزگار ختم ہوا جاتا ہے، اس وجہ سے اس کو رد کرنے کی امکان بھر کوشش کی جاتی ہے۔ کبھی کہا جاتا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں، ضعیف ہے۔ اور کبھی کہا جاتا ہے کہ یہ مسند احمد کی نادر و منفرد روایت ہے، احمد بن حنبل تو حیات فی القبر کا عقیدہ رکھتے تھے، ان کی حدیث سے استدلال کیونکر کیا جا سکتا ہے؟

دین کے بیوپاریوں کے نزدیک تو دین داری کو دکانداری بنانے سے روکنے والی تمام ہی احادیث ضعیف ہیں۔ ان کا تو کہنا ہی کیا ہے، حیات و سماع فی القبر سے متعلق ضعیف ترین اور موضوع روایات بھی انکے نزدیک صحیح ہوتی ہیں مگر جن احادیث سے انکے پیٹ پر لات پڑتی ہے تو وہ صحیح ہونے کے باوجود ضعیف ہیں۔ فیا للعجب! مگر حیرت اس بات پر ہے کہ حدیث کو ضعیف قرار دیتے ہیں اور دلیل کوئی نہیں دیتے۔ بلا دلیل حدیث کو ضعیف قرار دینا تو انکار حدیث کا شاخسانہ ہے اور منکرین حدیث کا طرہ امتیاز۔ اس حدیث کی سند کے متعلق صاحب بلوغ الامانی لکھتے ہیں:

وقال الهيثمى رجاله ثقات، و قال الحافظ سنده قوى (بلوغ الامانی، جز ١٥، صفحه ١٢٥)

"الھیثمی کہتے ہیں کہ اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں اور حافظ کہتے ہیں اس کی سند قوی ہے۔"

صحیح بات یہی ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ رہی یہ بات کہ یہ مسند احمد کی نادر و منفرد روایت ہے تو یہ پیشہ ور دینداروں کی جہالت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ورنہ حقیقت حال تو یہ ہے کہ یہ محض مسند احمد کی روایت ہی نہیں بلکہ اسکی تخریج بہت سے محدثین نے کی ہے۔ ملاحظہ ہو:

فحديث عبدالرحمٰن بن شبل: رواه أحمد فى "مسنده"...... و كذلك رواه إسحاق بن راهويه، و ابن أبى شيبة فى "مصنفه - فى باب التراويح" حدثنا

12 ج. 218 ص - 15468 - مسند احمد
15608، 15603، 15482

وكيع عن هشام الدستوائي به، و رواه عبد الرزاق في "مصنفه" أخبرنا معمر عن يحيى بن أبي كثير عن زيد بن سلام عن جده أبي راشد الحبراني به ؛ ومن طريق عبدالرزاق رواه كذلك عبد بن حميد ، و إسحاق بن راهويه ، وأبويعلى الموصلي في "مسانيدهم" ، وكذلك الطبراني في "معجمه" (نصب الرايه ، جلد ۴، صفحه ۱۳۶)

عبد الرحمٰن بن شبل کی حدیث کو احمد نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے......اور اسیطرح اسکو اسحاق بن راھویہ نے اور ابن ابی شیبہ نے اپنی کتاب المصنف کے باب التراویح میں وکیع عن ہشام الدستوائی کی سند سے روایت کیا ہے اور اس حدیث کو عبد الرزاق نے بھی اپنی کتاب المصنف میں معمر عن یحیٰ بن ابی کثیر عن زید بن سلام عن جدہ ابی راشد الحبرانی کی سند سے روایت کیا ہے اور عبد الرزاق والی سند سے ہی اس حدیث کو عبد بن حمید، اسحاق بن راھویہ اور ابو یعلی الموصلی نے اپنی مسانید میں روایکیا ہے اور اسیطرح طبرانی نے بھی اس حدیث کو اپنی معجم میں روایت کیا ہے۔

معلوم ہوا کہ عبد الرحمٰن بن شبلؓ کی حدیث مسند احمد ہی کی روایت نہیں ہے بلکہ احمد بن حنبل کے علاوہ دیگر چھ محدثین نے اپنی حدیث کی کتابوں میں اسے روایت کیا ہے۔ چنانچہ اس کو مسند احمد کی نادر روایت قرار دینا محض ایک شوشہ ہے جس میں ذرا بھی حقیقت نہیں اور یہ ان فن دینداری کے حاملین کی طرف سے آئے دن کی بات ہے۔

نمبر ۲ کے تحت عبادہ بن الصامتؓ کی حدیث پیش کی گئی ہے جس میں تعلیم قرآن پر اجرت لینا تو درکنار تحفہ تک لینے سے سختی سے روکا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ "پیشہ ور دیندار" اس کو رد کرنا ضروری خیال کرتے ہیں اور اسے ضعیف ثابت کرنے کے لئے فن دینداری کا پورا زور صرف کر دیتے ہیں۔ اس حدیث پر انکی ردوقدح کا لب لباب محض اتنا ہے کہ اسکا ایک راوی اسود بن ثعلبہ مجہول اور دوسرا المغیرۃ بن زیاد ضعیف ہے۔

دراصل یہ حدیث ان پیشہ وروں کی راہ میں ایک مضبوط رکاوٹ ہے اور اس میں باطل تاویل کے کئے جانے کا بھی کوئی امکان نہیں چنانچہ اس میں امکان بھر طبع آزمائی کی جاتی ہے کہ کسی بھی طرح اس روایت کو ضعیف ثابت کر دیا جائے۔ مگر درحقیقت یہ ان کی سعئ لاحاصل ہے کیونکہ یہ حدیث صحیح ہے۔ ملاحظہ ہو :

قال شعيب: حديث عبادة هذا أخرجه أيضاً الطحاوى ٢/١٠، و أحمد ٥/٣١٥ و أبونعيم فى "أخبار أصبهان" ٢/٨٢، والبيهقي ٦/١٢٥ كلهم من طريق مغيرة بن زياد بهذا الإسناد، والأسود بن ثعلبة مجهول، لكنه لم ينفرد به، فقد أخرجه أحمد ٥/٣٢٤، و أبوداود (٣٤١٧) من طريقين ، عن بشربن عبدالله ، بن يسار، حدثني عبادة بن نسي، عن جنادةبن أبي أمية عن عبادة بن الصامت و صححه الحاكم ٣/٣٥٦ ووافقه الذهبي (حاشيه تهذيب الكمال ، جلد ٣، صفحه ٢٢١)

شعیب کہتے ہیں کہ عبادہ کی اس حدیث کو طحاوی ۲/۱۰ اور احمد ۵/۳۱۵ اور ابو نعیم نے اخبار اصبہان ۲/۸۲ اور بیہقی ۶/۱۲۵ نے بھی تخریج کیا ہے۔ ان تمام نے مغیرہ بن زیاد کی اسی سند سے اس کو بیان کیا ہے اور اسود بن ثعلبہ مجهول ہے لیکن وہ اس میں منفرد نہیں ہے، مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۳۲۴ اور ابو داؤد حدیث نمبر ۳۴۱۷ میں دو طریقوں سے اسکو روایت کیا ہے۔ (حدیث کا دوسرا طرق ہے) عن بشر بن عبدالله بن يسار حدثني عباده بن نسى عن جناده بن اميه عن عبادة بن الصامت اور اسکو حاکم نے جلد ۳ صفحہ ۳۵۶ پر صحیح کہا ہے اور ذہبی نے اس میں اسکی موافقت کی ہے۔

اس حوالے سے یہ بات واضح ہوگئی کہ عبادہ بن الصامتؓ کی حدیث اسود بن ثعلبہ اور مغیرہ بن زیاد کے علاوہ دوسرے روایوں سے بھی مروی ہے۔ اس طرح حدیث کے دو طُرق یا دو سندیں ہوئیں بنابریں اسود بن ثعلبہ کی جہالت اور مغیرہ بن زیاد کے مختلف فیہ ہونے کی وجہ سے اس روایت کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ دین کی دکانداری کرنے والوں پر اس حدیث کی صحت ثابت کرنے کا فیصلہ کن حوالہ انکے اپنے پیشوا ناصر الدین البانی کا ہے۔ انہوں نے عبادہ بن الصامتؓ کی زیر بحث حدیث اپنی کتاب "صحیح سنن ابی داؤد" میں تخریج کی ہے اور اسکے دونوں طرق کو صحیح قرار دیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے صحیح سنن ابی داؤد، جلد ۲، صفحہ ۶۵۵۔ کیا یہ لوگ اس روایت کو اب بھی ماننے پر تیار نہیں ہیں؟ بلا تحقیق حدیث کو ضعیف قرار دینا اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ اس حدیث کو رد کرنے کا پہلے ہی فیصلہ کر لیا گیا ہے اور پھر اس کو ضعیف ثابت کرنے کے لئے اِدھر اُدھر سے تحقیقی نوادرات اور شبہ پارے جمع کر کے پیش کئے جاتے ہیں۔

احادیث میں قرآن کو ذریعہ معاش بنانے کی کلیۃً نفی آئی ہے۔ محض قرآن ہی کو ذریعۂ

معاش بنانے سے نہیں روکا گیابلکہ قرآن وحدیث دینداری کو دکانداری بنانے کے سخت مخالف ہیں۔ مگر حاملین دین ہیں کہ دین داری کے نام پر اپنے اپنے کاروبار اور روزگار چمکائے ہوئے ہیں۔ یہ تو ممکن ہی نہیں کہ یہ قرآن وحدیث کے احکامات سے ناآشنا ہوں بلکہ جانتے بوجھتے انہوں نے یہ اندازواطوار اپنائے ہیں، انکی پوری کوشش ہے کہ قرآن وحدیث کے احکامات کو اپنے مفادات کے تابع کرلیں۔ اس مقصد کے حصول کے لئے رکیک تاویلات کا سہارا بھی لیتے ہیں چنانچہ اوپر پیش کی گئی احادیث کے احکامات کو صرف اور صرف "تلاوت قرآن" پر اجرت لینے تک محدود قرار دیتے ہیں اور اپنی دلیل میں (نمبر ۳ کے تحت پیش کی گئی) عمران بن حصینؓ کی حدیث کو پیش کر کے باقی دیگر احادیث کو بھی اسی کے ہم معنی اور ہم مطلب گردانتے ہیں۔ سطور بالا میں پیش کردہ احادیث کا سرسری مطالعہ ہی اس پیشہ ورانہ تاویل و توجیہ کی بے حیثیتی اور بوداپن واضح کردینے کے لئے کافی ہے۔ اس قسم کی توجیہات و تاویلات کا مقصد مفاد پرستانہ عزائم کی تکمیل میں حائل احادیث سے جان چھڑانا ہے۔ اسطرح نفع بخش کاروبار میں رکاوٹ بننے والی احادیث اپنے احکام میں گویا غیر مؤثر ہوگئیں اور ان مفاد پرستوں کا راستہ صاف ہوگیا۔ تف ہے ان دین کی کمائی کھانے والوں پر جو اپنے پیٹ کی آگ بجھانے کی خاطر احادیث کو پہلے توضعیف قرار دیں اور اس پر بھی کام نہ چلے تو ان کو تاویل کی سان پر چڑھادیں! احادیث میں تو دین کو ذریعۂ معاش بنانے سے مطلق روکا گیا ہے خواہ وہ کسی بھی انداز اور کسی بھی طریقے سے ہو۔ عبد الرحمٰن بن شبل انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ ہیں :

اقرؤا القرآن ...... ولا تأكلوا به ولا تستكثروا به۔ اس حدیث کا سیدھا سادھا مطلب ہے کہ

أی لاتجعلوه سببا لمعايشكم والإكثار من الدنيا (بلوغ الامانی، جزء ۱۵، صفحہ ۱۲۵)

"یعنی قرآن کو معاش اور دنیاوی فوائد کی کثرت کا ذریعہ نہ بناؤ۔"

حدیث میں صاف طور پر آگیا کہ قرآن کو ذریعہ معاش اور دنیاوی فوائد کے حصول کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔ اِن غیر مبہم اور واضح الفاظ کے باوجود بھی ان احادیث کو صرف تلاوت قرآن پر دنیا طلب کرنے سے متعلق قرار دینا حد درجہ کی حماقت اور حقائق سے چشم پوشی کی بدترین مثال ہے۔ یہاں یہ وضاحت بھی اہم ہے کہ اس حدیث کی دیگر اسناد میں "اقرؤا القرآن" کی جگہ "تعلموا القرآن" کے الفاظ آئے ہیں (الملاحظہ مسند احمد و مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ) اور اس کا

مطلب ہے کہ "قرآن کو سیکھو"۔ یہاں تو تلاوت قرآن کی بات بنانے کی قطعاً کوئی گنجائش نہ رہی۔ رہی عمران بن حصینؓ کی روایت تو وہ بالکل الگ اور ایک مستقل حدیث ہے اور اس کا اپنا ایک اضافی حکم ہے۔ اس حدیث کا یہ مطلب تو نہیں کہ باقی احادیث بھی محض اسی قدر وہی حکم رکھتی ہیں جو کہ عمران بن حصینؓ کی حدیث میں ہے۔ عمران بن حصینؓ کی حدیث میں تلاوت قرآن کر کے سوال کرنے سے روکا گیا ہے تو یہ بھی یقیناً منع ہے اور اضافی حکم ہے مگر اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ دوسری احادیث کو بھی محض تلاوت قرآن والے معاملے کے ساتھ مخصوص اور مقید کر دیا جائے۔ در آں حالیکہ دینی امور پر اجرت و معاوضہ کے خلاف قرآنی آیات و احادیث تو اصول و کلیئے کی حیثیت رکھتی ہیں۔

یہ لوگ بھی عجیب مخلوق ہیں، ابو سعید خدریؓ کی دَم والی روایت اور سھل بن سعدؓ کی نکاح سے متعلق روایت جن کا دینی امور پر اجرت سے دور کا بھی تعلق نہیں انکو تو یہ الگ اور مستقل حکم رکھنے والی احادیث گردانتے ہیں حالانکہ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ ان احادیث کو دینی امور پر اجرت لینے سے روکنے والی اصولی احادیث ہی کی روشنی میں سمجھتے اور ان کا مفہوم لیتے، یہی بات قرین صواب ہے، مگر افسوس کہ ایسا نہیں کیا جاتا۔ دین کے بیوپاری فن دین داری کے ماہر ہونے کی وجہ سے مطلب بر آری میں بڑے مشاق ہیں، دینی امور پر اجرت کی نہی میں وارد احادیث کو ضعیف قرار دینے یا ان کی غلط توجیہ کرنے پر ہی بس نہیں کرتے بلکہ محولہ بالا غیر متعلق احادیثِ صحیحہ سے بھی دینی امور پر اجرت لینے کے جواز کیلئے استدلال کرتے ہیں۔ اس معاملے میں سب سے زیادہ مشقِ ستم ابو سعید خدریؓ کی دَم والی درج ذیل حدیث پر کی جاتی ہے :

عن ابی سعیدالخدری ان ناساً من اصحاب النبی ﷺ اَتَوْا علٰی حیّ من اَحْیَاء العَرَبِ فلم یَقْرُوْھم فبینماھم کذٰلك اذا لُدِغ سَیّدُ اولٰئك فقالوا ھل معکم دواء او راقٍ فقالوا نَعَمْ انکم لم تَقْرُوْنا ولا نفعلُ حتیٰ تَجْعَلوا لنا جُعْلاً فجعلوا لھم قطیعاً من الشاء فجعل یَقْرأ بام القران و یجمع بزاقه ویتفل فبرأ فأُتُوا بالشآء فقالوا لا ناخذہ حتیٰ نسئل النبی ﷺ فسالوہ فضَحِك و قال ماأَدْرٰك انھا رُقْیَةٌ خُذُوھا واضربوا لِیْ بسَھْم و فی روایۃ اقسموا واضربوا لی معکم بسھم

(بخاری، کتاب الطب، باب الرُقٰی بفاتحة الکتاب)

ابو سعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت ایک عرب قبیلہ کے پاس پہنچی۔ قبیلہ والوں نے انکی مہمان نوازی نہ کی۔ اسی دوران اس قبیلے کے سردار کو ایک زہریلے جانور نے ڈس لیا۔ قبیلہ والوں نے صحابہؓ سے دریافت کیا کہ کیا تمہارے پاس کاٹے کی دوا ہے یا تم میں کوئی دَم کرنے والا ہے؟ صحابہؓ نے جواب دیا کہ ہاں، مگر تم وہ لوگ ہو جنہوں نے ہماری میزبانی نہیں کی اس لئے ہم اس وقت تک تمہارے سردار پر "دَم" نہیں کریں گے جب تک تم ہمارے لئے کچھ اہتمام نہ کرو۔ آخر کار بھیڑوں کی ایک ٹکڑی پر معاملہ طے ہوا۔ ایک صحابی نے سورۃ الفاتحہ پڑھ کر اپنا تھوک جمع کیا اور سردار پر تھتکار دیا۔ قبیلہ کا سردار بالکل اچھا ہو گیا۔ حسب وعدہ قبیلہ والوں نے بھیڑیں دیں۔ (صحابہ کرامؓ کو تردد ہوا اور) انہوں نے کہا: ہم اس وقت تک ان بھیڑوں کو نہیں لیں گے جب تک نبی ﷺ سے دریافت نہ کرلیں۔ پھر جب نبی ﷺ سے انہوں نے پوچھا تو نبی ﷺ ہنسے اور فرمایا کہ تم کو کیسے معلوم ہوا کہ سورۃ الفاتحہ ایک "دَم" ہے، بھیڑوں کو لے لو، اور میرا بھی حصہ لگاؤ۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپس میں تقسیم کرلو اور میرا بھی حصہ لگاؤ۔

حدیث بالا صاف بتا رہی ہے کہ یہ دینی امور پر اجرت لینے کا معاملہ سرے سے ہے ہی نہیں۔ اس حدیث سے دینی امور پر اجرت کا استدلال کرنے والے محض حماقت و جہالت کا شکار ہیں۔ دراصل مال و زر کی ہوس میں دین اور دینداری سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں رہا۔ دین سے ان کا تعلق محض پیشہ ورانہ ہی رہ گیا۔ ابو سعید خدریؓ کی حدیث میں جو بیان کیا گیا ہے وہ ایک خاص الخاص واقعہ ہے۔ اُس زمانے میں جب ہوٹل اور ریستوراں کا رواج نہیں تھا اور قبیلہ والوں نے ضابطۂ اخلاق اور معروف رواج کے برعکس ضیافت کرنے سے انکار کر دیا تو اس صورتحال میں اسکے سوا اور کیا چارہ تھا کہ ان سے حق ضیافت کسی بھی طرح وصول کر لیا جاتا۔ یہ تو اضطراری حالات کا تقاضا تھا اور حالت اضطرار میں ایسا قدم اٹھانے کی اجازت ہے۔ حق ضیافت وصول کر لینے سے متعلق نبی ﷺ کا ارشاد گرامی بھی ملاحظہ فرمائیے:

عن عُقبة بن عامِرٍ انه قال قلنا یا رسول الله انك تَبْعَثُنَا فَننزِل بقوم فلا یَقْرُونَنا فما تَریٰ فقال لنا رسول الله ﷺ ان نَزَلتم بقوم فامَروا لکم بما یَنْبَغِی لِلضَّیف فاقْبَلُوا فان لم یفعلوا فخُذوا منهم حقَّ الضَّیف الذی ینبغی لهم (بخاری، کتاب الادب، باب اکرام الضیف، و مسلم، ابو داوٗد، ابن ماجه، مسند احمد)

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے کہا کہ اے اللہ کے رسولؐ آپ ہمیں بھیجتے ہیں اور راستے میں ہم بعض قبیلوں کے یہاں پڑاؤ کرتے ہیں لیکن وہ ہماری میزبانی نہیں کرتے، آپ بتائیے اس صورتحال میں ہم کیا کریں۔ نبی ﷺ نے فرمایا جب تم کسی قوم کے یہاں پڑاؤ کرو اور وہ تمہاری مہمان نوازی کریں جو مہمان کے لئے مناسب ہوتی ہے تو اسے قبول کرلو اور اگر وہ ایسا نہ کریں تو ان سے مہمان کا وہ حق وصول کرلو جو ان پر لازم ہے۔

کیا فن دینداری کے ان ماہرین نے قرآن کا مطالعہ نہیں کیا؟ موسیٰ علیہ السلام خضر علیہ السلام کے ساتھ ایک بستی میں پہنچے، اس بستی کے لوگوں نے کہنے کے باوجود انکے کھانے کا اہتمام نہ کیا۔ خضرؑ نے جب انکی ایک دیوار کو جو گرنے والی تھی، سیدھا کردیا تو موسیٰ علیہ السلام نے فوراً ان سے کہا کہ

لَوْشِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ﴿۷۷﴾ (الکہف ۷۷)

"اگر آپ چاہتے تو اس پر کچھ اجرت طلب کرلیتے۔"

اللہ کے برگزیدہ رسولؑ تو اعلیٰ اخلاق اور اعلیٰ ظرفی میں خود ایک نمونہ ہوتے ہیں اور معمولی فروگذاشت پر انتقامی جذبہ ان کے شایانِ شان نہیں ہوتا۔ لیکن اس دور میں جبکہ ہوٹلوں وغیرہ کا وجود نہ تھا، مہمانوں کی مہمان نوازی نہ کرنا ایک بڑی حق تلفی اور عظیم معاشرتی جرم تصور کیا جاتا تھا، اسی لئے اضطراری حالت میں اپنا حق لینے کے جذبے سے ہی درج بالا الفاظ موسیٰ علیہ السلام کی زبان پر آئے۔ اسی طرح صحابہ کرامؓ نے قبیلہ والوں سے حق ضیافت اسی وقت وصول کیا تھا جب انہوں نے قاعدے کے مطابق ضیافت کرنے سے انکار کردیا تھا۔ ابو سعید خدریؓ کی روایت میں اس کی صراحت موجود ہے جبکہ عقبہ بن عامرؓ کی پیش کردہ حدیث میں اس صورتحال میں حق ضیافت وصول کرنے کا جواز موجود ہے۔ نہایت افسوس کا مقام ہے کہ ابو سعید خدریؓ کی زیر بحث روایت سے تمام ہی لوگ دلیل لاتے ہیں، : نماز پڑھانے والے نماز پڑھانے کی، قرآن کی تعلیم دینے والے قرآن کی تعلیم دینے کی، فتویٰ دینے والے فتویٰ دینے کی، حدیث اور فقہ پڑھانے والے حدیث و فقہ پڑھانے کی اجرت وصول کرنے کے جواز کے لئے اسی روایت کو پیش کرتے ہیں۔ پہلی بات جو اوپر گذری کہ یہ اضطراری حالات کا خاص معاملہ تھا جس سے عموم پر دلیل نہیں لائی جاسکتی۔ دوسری بات یہ کہ یہ دینی امور پر اجرت کا معاملہ تھا ہی نہیں۔ اجرت تو خدمت انجام دینے والے کا حق ہوتی

ہے جبکہ اس واقعہ میں تو "راق" (دم کرنے والے) نے دم کیا مگر اس کے صلے میں ملنے والے بھیڑوں یا بکریوں کے ریوڑ کو قافلے کے تمام لوگوں میں تقسیم کیا گیا۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ نبی ﷺ نے اس میں اپنا حصہ بھی لگانے کو کہا، حالانکہ آپؐ وہاں موجود ہی نہ تھے بلکہ صحابہؓ کرام نے مدینہ واپس آکر آپ ﷺ سے اس معاملے کا ذکر کیا تو اس وقت آپؐ نے اس میں اپنا حصہ لگانے کو کہا تھا۔ بھلا کیا اجیر کی اجرت بھی تقسیم ہوا کرتی ہے ؟ اور اجرت میں کسی اور کا بھی حصہ بنتا ہے جو معاملے سے قطعاً لا تعلق رہا ہو ؟ دینداری کو دکانداری بنانے والوں سے کوئی پوچھے آپ جو دینی امور پر اجرت وصول کرتے ہیں تو کیا آپ بھی اس کو لوگوں میں تقسیم کر دیتے ہیں ؟ آج تک ریکارڈ پر ایسا کوئی واقعہ نہیں کہ دینی امور پر اجرت لینے والوں نے اپنی تنخواہوں میں کسی دوسرے کو حصہ دار بنایا ہو یا اپنی تنخواہ لوگوں میں تقسیم کر دی ہو، تو پھر ماننا چاہئے کہ دینی امور پر اجرت لینے والے اس حدیث پر خود ہی عمل کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ اس صورتحال میں اس حدیث سے دلیل لانا چہ معنی دارد ؟

دین کے بیوپاریوں کو کب گوارا ہو سکتا ہے کہ حدیث کے صحیح مطلب کو واضح کیا جائے، حدیث کی صحیح تشریح و توضیح سے تو ان کی دکانداری چوپٹ ہوئی جاتی ہے۔ اس کو بچانے کے لئے بہت ہاتھ پیر مارے جاتے ہیں۔ تب ہی تو ابو سعید خدریؓ کی حدیث کے صحیح معنی و مفہوم مسترد کرنے کے لئے بخاری کی عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ایک دوسری روایت پیش کر کے کہتے ہیں کہ "دینی امور پر اجرت کے جواز کے لئے یہ حدیث بالکل واضح ہے اور اس میں اضطراری حالت یا حق ضیافت کے معاملے کا اشارہ تک نہیں ہے۔" شکم پروری کے دفاع میں انکی بے لگام زبان اور بے مہار قلم مسلمہ علمی اصولوں سے بے پرواہو کر اسی طرح کی ہرزہ سرائی نہ کرے تو کیا کرے۔ دراصل سچ اور حق انکے حلق سے نیچے اترتا ہی نہیں۔ یہ ہرزہ سرائی کوئی دینی خدمت نہیں محض دکانداری کے کھلے دروازے کو کھلا رکھنے کی ناروا اور احمقانہ کوشش ہے۔ سطور بالا میں ابو سعید خدریؓ کی حدیث کی صحیح تشریح پیش کی گئی ہے۔ ابو سعید خدریؓ کی حدیث اور ابن عباسؓ کی حدیث ایک ہی واقعہ سے متعلق ہیں۔ وہ کوئی دو الگ الگ واقعات نہیں۔ ابو سعید خدریؓ کی حدیث میں پورا واقعہ مع جزئیات بیان ہوا ہے جبکہ ابن عباسؓ کی روایت میں بھی اُسی واقعہ کو بیان کیا گیا ہے مگر اس میں تمام باتیں بیان نہیں ہوئی ہیں۔ ابن عباسؓ کی حدیث ابو سعید خدریؓ کی حدیث کے مقابلے میں مجمل ہے اور جب کسی

واقعہ کو باتمام بیان کرنا ہوتا ہے یا اس سے کوئی شرعی مسئلہ اخذ کرنا ہوتا ہے تو اس واقعہ سے متعلق تمام صحیح مرویات کو پیش نظر رکھنا ہوتا ہے۔ جو باتیں ابن عباسؓ کی حدیث میں نہیں تو کیا ہوا، ابو سعید خدریؓ کی حدیث میں تو ہیں۔ یہ تو بڑی جہالت و حماقت ہی ہے کہ ابو سعید خدریؓ کی روایت کے مقابلے میں ابن عباسؓ کی حدیث کو بالکل واضح قرار دیا جائے جبکہ معلوم ہے کہ ابو سعید خدریؓ اور ابن عباسؓ دونوں ایک ہی واقعہ کو بیان کر رہے ہیں۔ ابو سعید خدریؓ اور ابن عباسؓ کی بیان کردہ دونوں احادیث ایک ہی واقعے سے متعلق ہیں، یہ خود حدیثوں سے بھی مترشح ہے اور ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں:

ان حدیث ابن عباس و حدیث ابی سعید فی قصة واحدة..... (فتح الباری، کتاب الطب)

"ابن عباسؓ اور ابو سعیدؓ کی احادیث ایک ہی قصہ کے بارے میں ہیں۔"

دین کے بیوپاریوں کے نزدیک فن حدیث کے حوالے سے مستند و مُسَلَّم شخصیت نے بھی تصدیق کر دی کہ ابن عباسؓ اور ابو سعید خدریؓ کی احادیث ایک ہی واقعہ سے متعلق ہیں۔ ابن عباسؓ کی حدیث مختصر ہے اور ابو سعید خدریؓ کی مطول، اور ظاہر ہے کہ مطول مختصر کی وضاحت ہوتی ہے اور جب ابو سعید خدریؓ کی مطول حدیث نے بات صاف کر دی تو ابن عباسؓ کی مختصر حدیث (جس میں تمام جزئیات نہیں آئی ہیں) پر استدلال کی عمارت کسطرح قائم ہو سکتی ہے۔ یہ بات بھی قابل بیان ہے کہ ابو سعید خدریؓ تو اس واقعہ کے چشم دید گواہ تھے کیونکہ صحابہؓ کی اس جماعت میں شامل تھے جس کو یہ واقعہ درپیش ہوا۔ بعض احادیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ راق (دم کرنے والے) خود ابو سعید خدریؓ تھے جبکہ ابن عباسؓ صحابہؓ کی اس جماعت میں شامل نہیں تھے جس کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا تھا۔

ان معروضات سے واضح ہوا کہ پیشہ ور دین دار مخالفت حق اور شکم پروری کے دفاع میں ہوش و حواس بھی کھو بیٹھے ہیں ورنہ حدیث سے ذرا بھی واقفیت رکھنے والا جانتا ہے کہ ایک واقعہ سے متعلق جب بہت سی روایات ہوں، مُجمَل بھی اور مُفَسَّر بھی، تو ان کو باہم جمع کر کے ہی حدیث کا مطلب لیا جاتا ہے۔ مفسر سے آنکھیں بند کر کے مختصر پر استدلال کی بنیاد رکھنا تو حدیث اور علم حدیث سے بیگانگی بلکہ دشمنی کے مترادف ہے۔

اب یہ امر بھی قابل غور ہے کہ آخر یہ ابن عباسؓ کی حدیث پر ہی اصرار کیوں ہے جسے دینی امور پر اجرت کے معاملے میں بالکل واضح قرار دیا جاتا ہے ؟ وجہ اس کی دراصل یہ ہے کہ ابن عباسؓ کی روایت میں واقعہ کے بعض پہلو نمایاں نہیں ہیں اور اس روایت کے آخر میں اِنَّ اَحَقَّ مَااَخَذتُم عَلیهِ اَجْراً کتٰب اللهِ کے الفاظ آئے ہیں جن سے یہ پیشہ ور لوگ دین کے بیوپار کو جائز ٹھہرانے کا ناجائز جواز اخذ کرتے ہیں جسکی حقیقت آگے آ رہی ہے۔

اس حدیث سے دینی امور پر اجرت کے جواز کے لئے استدلال کرنے والوں نے کیا اس واقعے میں موجود صحابہ کرامؓ کے طرز عمل پر بھی ذرا غور کیا ہے ؟ صحابہؓ نے تو کہا تھا کہ لاناخُذُہٗ حتیٰ نسئالَ النبیَ ﷺ یعنی "ہم اسے اس وقت تک نہیں لیں گے جب تک اسکے متعلق نبی ﷺ سے دریافت نہ کرلیں" اور ابن عباسؓ کی روایت میں فکرھوا ذٰلك کے الفاظ آئے ہیں یعنی "انہوں نے اسکو لینے میں کراہت محسوس کی۔" یہ تھا صحابہؓ کا طرز عمل۔ کیا ان لوگوں کو یہ بالکل نظر نہیں آتا ؟ اس پہلو پر ان پیٹ کے پجاریوں نے ذرا بھی غور نہ کیا کہ آخر صحابہؓ نے کراہت کیوں محسوس کی ؟

بعض چابک دست تو ابن عباسؓ کی حدیث کے صرف آخری الفاظ پیش کرتے ہیں :

اِنَّ اَحَقَّ مااخذتم علیه اجراً کتاب الله یعنی کتاب اللہ پر اجر لینا سب سے زیادہ بہتر ہے۔ یہاں اس سے دین فروشی کا جواز مراد نہیں ہے۔ اصول اور انصاف کا تقاضا تو یہ ہے کہ ان الفاظ سے دین پر اجرت کا جواز کشید کرنے سے باز آجائیں کیونکہ یہ الفاظ درج بالا سطور میں پیش کردہ واقعہ سے متعلق ہیں اور جس واقعہ سے یہ متعلق ہیں اس کے ساتھ پیوست رکھتے ہوئے اس کا مطلب اخذ کرنا چاہئے۔ کسی بھی عبارت کو سیاق و سباق سے جدا کر کے کوئی بھی معنی پہنائے جا سکتے ہیں اور ظاہر ہے کہ سیاق و سباق سے جدا کر کے جو معنی لئے جائیں گے وہ صحیح ہونے سے رہے۔ حدیث کے ان الفاظ سے تعلیم القرآن پر اجرت لینے کے لئے استدلال کرنے والوں کے متعلق بدرالدین عینی عمدۃ القاری میں لکھتے ہیں کہ

......من له ذوق من معانی الاحادیث لا یتلفظ بهٰذ الکلام الذی لیس له معنی...... (عمدة القاری، جز ۲۱، صفحه ۲٦۴)

"جو حدیث کے معنی کا ذوق رکھتا ہے وہ اس قسم کی بات نہ کریگا جو اس کے معنی نہیں ہیں (یعنی دینی

امور پر اجرت کا استدلال)۔" ☆

ثابت ہوا کہ ان احق مااخذتم علیه اجراً کتاب الله کے الفاظ اوپر کی سطور میں پیش کئے گئے واقعہ سے ہی متعلق ہیں اور اس واقعے میں ضیافت سے انکار کی اضطراری کیفیت میں دم کے ذریعہ حق ضیافت وصول کرنے کا ذکر ہے جس کیلئے اللہ تعالیٰ نے اسباب پیدا کر دئے۔ نماز پڑھانے، قرآن و حدیث کی تعلیم دینے اور دیگر دینی امور پر اجرت کا تو اس میں سرے سے ذکر ہی نہیں تو پھر ان تمام چیزوں پر اس سے دلیل لانا احمقانہ کوشش ہے۔

دین کے بیوپاری اپنے کاروبار کو تحفظ دینے کے لئے سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی دلیل لاتے ہیں۔ حدیث ملاحظہ ہو :

عن سهل بن سعدِ السّاعدى قال جآء ت امرأة الىٰ رسول الله ﷺ فقالت يا رسول الله جئتُ اَهَبُ لك نفسى قال فنظر اليها رسول الله ﷺ فصعّد النَظَر فيها و صوّبه ثم طَأْطَأَ رسول الله ﷺ رأسه فلما رأت المرأةُ انّه لم يقضِ فيها شيئا جلسَتْ فقام رجُل من اصحا به فقال يا رسولَ الله ان لم تكن لك بها حاجةٌ فزوِّجْنِيْها فقال و هل عندك من شئ قال لا والله يا رسولَ الله فقال اذهب الى اهلك فانظر هل تجد شيئا فذهب ثم رجع فقال لا والله ماوجدتُ شيئا فقال رسول الله ﷺ انظر ولو خاتِما من حديدٍ فذهب ثم رجع فقال لا واللهِ يارسول الله ولا خاتم من حديدٍ ولكِنْ هٰذا اِزَارى قال سَهْل ماله رداء فلها نصفه فقال رسول الله ﷺ ما تصنَعُ بِازارك اِنْ لبِسْتَهٗ لم يكن عليها منه شئ و انْ لبِسَتْهُ لم يكن عليكَ منه شئ فجَلَس الرجُل حتىٰ اذا طال مجلَسُه قام فرٰاه رسول الله ﷺ مُوَلّياً فامربه فدُعى فلمَّا جاء قال ماذا معك من القراٰن قال مَعِىْ سورةُ كذا و سورةُ كذا عدّدها فقال تُقرأهن عن ظهر قلبك قال نعم قال اذهب فقد مَلّكْتُكَهَا بما معك من القراٰن (بخارى، كتاب النكاح، باب تزويج المعسر)

☆ عینی نے اس حدیث سے تعلیم قرآن پر اجرت کے جواز کو تو رد کیا ہے لیکن آگے جاکر قرآن پڑھ کر دم کرنے پر اجرت لینا جائز قرار دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ موقف بھی غلط ہے۔

سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک خاتون رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ میں اپنے آپ کو آپ کے لئے وقف کرنے کے لئے حاضر ہوئی ہوں۔ بیان کیا کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے نظر اٹھا کر انہیں دیکھا، پھر آپ نے نظر کو نیچا کیا اور پھر اپنا سر جھکا لیا۔ جب ان خاتون نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے لئے کوئی فیصلہ نہیں کیا تو بیٹھ گئیں۔ اس کے بعد آپؐ کے صحابہ میں سے ایک صاحب کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ! اگر آپ کو ان کی ضرورت نہیں تو ان سے میرا نکاح کر دیجئے۔ رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا: تمہارے پاس کوئی چیز ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ نہیں، اللہ کی قسم یا رسول اللہ۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اپنے گھر جاؤ اور دیکھو ممکن ہے تمہیں کوئی چیز مل جائے۔ وہ گئے اور واپس آئے اور عرض کیا کہ اللہ کی قسم میں نے کچھ نہیں پایا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دیکھ لو اگر لوہے کی ایک انگوٹھی ہی مل جائے۔ وہ گئے اور واپس آگئے اور عرض کیا کہ اللہ کی قسم یا رسول اللہ میرے پاس لوہے کی ایک انگوٹھی بھی نہیں ہے۔ البتہ میرے پاس یہ ایک تہمد ہے، انہیں (خاتون کو) اس میں سے آدھا دیجئے۔ سہل رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ان کے پاس چادر بھی نہیں تھی جس کی آدھی انہیں دی جاتی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ تمہارے تہمد کا کیا کریں گی۔ اگر تم اسے پہنو گے تو ان کے لئے اس میں سے کچھ نہیں بچے گا اور اگر وہ پہن لیں تو تمہارے لئے کچھ نہیں رہے گا۔ اس کے بعد وہ صحابیؓ بیٹھ گئے۔ کافی دیر تک بیٹھے رہنے کے بعد وہ جب کھڑے ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں دیکھا کہ وہ واپس جا رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں بلوایا، جب وہ آئے تو آپ نے دریافت فرمایا کہ تمہیں قرآن مجید کتنا یاد ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ فلاں فلاں سورتیں یاد ہیں۔ انہوں نے گن کر بتائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کیا تم انہیں حافظے سے پڑھ سکتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں۔ نبی ﷺ نے فرمایا پھر جاؤ میں نے انہیں تمہارے نکاح میں دیا اس قرآن کی وجہ سے جو تمہیں یاد ہے۔

اس حدیث سے بھی دینی امور پر اجرت لینے کا استدلال کیا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ چونکہ عورت کا مہر مال ہوتا ہے اور اس حدیث میں مال کی جگہ قرآن کو مہر ٹھہرایا گیا ہے۔ لہٰذا اس میں تعلیم قرآن پر مال و زر لینے کا جواز موجود ہے۔ "ساون کے اندھے کو ہرا ہرا ہی سوجھتا ہے" چنانچہ ان شکم پرستوں کو اس حدیث میں بھی اپنی دکانداری کا جواز نظر آتا ہے ورنہ اس حدیث میں دینی امور پر اجرت لینے کا قطعاً کوئی جواز موجود نہیں۔ اس میں تو ایک مفلوک الحال اور مفلس صحابی کے نکاح کا واقعہ مذکور ہے جن کے پاس مہر کی ادائیگی کے لئے کچھ بھی نہ تھا، اس وجہ سے نبی ﷺ نے ان کا نکاح قرآن یا حفظ قرآن کی بنا پر کر دیا تھا۔ اس میں تعلیم القرآن پر اجرت کا جواز کہاں ہے؟ قرآن یا حفظ

قرآن کی بناپر نکاح سے تعلیم قرآن پر اجرت لینے کے لئے جواز نکالنے سے پہلے ذرا اس واقعہ پر نظر ڈالئے معلوم ہوگا کہ جب خستہ حال صحابی نے نکاح کی خواہش کا اظہار کیا تو نبی ﷺ نے سب سے پہلے ان سے پوچھا تیرے پاس کچھ ہے ؟ ان کے پاس کچھ نہ تھا۔ انہوں نے اس کا اقرار کیا : لاوَاللہِ یا رَسولَ اللہِ (اللہ کی قسم اے اللہ کے رسول کچھ بھی نہیں ہے)۔ اس پر بھی نبی علیہ السلام نے انکو گھر بھیجا کہ جاؤ دیکھو کچھ مل جائے گا۔ وہ گھر جاتے ہیں اور واپس آکر حلفیہ بتاتے ہیں کہ کچھ نہیں ملا۔ نبی علیہ السلام انہیں پھر بھیجتے ہیں کہ جاؤ دیکھو کوئی لوہے کی انگوٹھی ہی مل جائے۔ وہ پھر جاتے ہیں اور واپس آکر پھر کہتے ہیں کہ لاوَاللہِ یارسولَ اللہِ ولاخاتم من حدیدٍ : اللہ کی قسم اے اللہ کے رسول (میرے پاس) لوہے کی انگوٹھی بھی نہیں۔ بالآخر اپنے ازار میں سے آدھے کی پیشکش کرتے ہیں جسکو نبی ﷺ مسترد کر دیتے ہیں کہ اسکو آدھا آدھا کر دینے سے انکے اپنے ازار کا مسئلہ پیدا ہو جاتا۔ کیا یہ واقعہ نہیں بتارہا کہ نبی ﷺ نے تو ہر صورت میں مہر کے لئے کچھ نہ کچھ فراہم کرنے کی کوشش کی تھی، جب کوئی صورت نہ بن پائی تب کہیں جاکر آپ ﷺ نے انکا نکاح قرآن یا حفظ قرآن کی وجہ سے قائم کیا۔ یہ ایک خصوصی واقعہ تھا اور یہ نبی ﷺ ہی کی خصوصیت تھی۔ نبی ﷺ کی خصوصیت کا صرف یہی ایک معاملہ نہیں ہے بلکہ اور بھی معاملات احادیث میں مذکور ہیں۔ یہاں یہ بھی خیال رہے کہ یہ نہ تو کوئی عام رواج تھا اور نہ معمول۔ نہ پہلے ایسا ہوا تھا اور نہ بعد میں یہ معمول بنا۔ کتنے ایسے نکاح ہیں جو قرآن یا حفظ قرآن کی بناپر ہوئے ؟ پہلے نہ سہی، کیا اس واقعے کے بعد کی اس قسم کی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں ؟ ہرگز نہیں۔ دراصل مہر تو عورت کا اختیار ہوتا ہے، وہ جس چیز پر بھی راضی ہو جائے۔ اس واقعہ میں خاتون نے اپنا نفس بلا کسی شرط کے نبی ﷺ کو ھبہ کر دیا تھا۔ اس حدیث سے تعلیم القرآن پر استدلال کرنے والوں کو ام سُلیمؓ کے ابو طلحہؓ سے نکاح کے واقعہ کو پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ امام نسائی نے اُمِ سُلیمؓ کے نکاح کے واقعہ پر "التزویج علی الاسلام" (اسلام لانے پر نکاح) کا باب قائم کیا ہے۔ اس باب کے تحت انس رضی اللہ عنہ کی دو روایتیں لائے ہیں۔ ملاحظہ ہو :

عن انس قال تزوج ابو طلحة ام سليم فكان صداق مابينهما الاسلام اسلمت اُمَّ سليم قبل ابی طلحة فخَطَبَها فقالت انی قد اسلمتُ فان اسلمتَ نكحتك فاسلم فكان صداق ما بينهما (نسائی، کتاب النکاح، باب التزویج علی الاسلام)

انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابو طلحہؓ نے ام سلیمؓ سے نکاح کیا، انکے درمیان ابو طلحہ کا اسلام لانا مہر قرار پایا۔ ام سلیمؓ ابو طلحہؓ سے پہلے اسلام لے آئیں تھیں۔ جب ابو طلحہؓ نے انکو نکاح کا پیغام دیا تو انہوں نے جواب دیا کہ میں مسلمان ہو چکی ہوں اگر تم اسلام قبول کر لو تو میں تم سے نکاح کر لونگی۔ پس ابو طلحہؓ نے اسلام قبول کر لیا۔ یہی ان کا مہر قرار پایا۔

عن انس قال خطب ابو طلحةَ ام سليم فقالت والله مامثلك يا اباطلحة يُرَدُّ وَلٰكِنَّكَ رجُلٌ كافرٌ و انا امرأةٌ مسلمة ولا يحلُّ لي ان اتزوجك فان تُسلم فذاك مهري ولااسالك غيره فاسلم فكان ذلك مهرها (ایضاً)

انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابو طلحہؓ نے ام سلیمؓ کو نکاح کا پیغام دیا تو انہوں نے کہا کہ اللہ کی قسم اے ابو طلحہ تمہاری طرح کے آدمی کو رد نہیں کیا جاتا لیکن تم کافر ہو اور میں مسلمہ اور میرے لئے جائز نہیں کہ تم سے نکاح کروں، ہاں اگر تم اسلام قبول کر لو تو یہی میرا مہر ہوگا اور اسکے علاوہ میں تم سے کچھ نہ طلب کروں گی۔ پس ابو طلحہؓ نے اسلام قبول کر لیا اور یہی ان کا مہر رہا۔

دینی امور پر اجرت لینے والوں کے استدلال کے مطابق چونکہ عورت کا اصل مہر مال ہے، ام سُلیمؓ کے نکاح میں ابو طلحہؓ کا اسلام لانا مہر ٹھہرا تھا، لہٰذا اسلام قبول کرنے پر مال و دولت لینا جائز ہوا یا مال و دولت کے عوض اسلام قبول کرنا مستحسن قرار پایا۔ ان کے پیمانے کے مطابق تو قرآن پر نکاح سے جب تعلیم قرآن پر اجرت لینے کا جواز نکلا تو اسلام پر نکاح سے اسلام لانے پر اجرت لینا جائز ہوا! گویا اسلام بھی "دہاڑی" پر ٹھہرا اور مسلمان بھی "اجرتی مسلمان" ہو گئے! گویا ان پیشہ ور دین داروں کے نزدیک دین اسلام منافع بخش پیداواری صنعت ہے۔ تف ہے اس انداز شکم پرستی پر جو ایمان و اسلام لانے سے لیکر مرنے اور مرنے کے بعد ہر ہر چیز پر مال بنانے میں مصروف رکھے، قرآن و حدیث کا کیسا مذاق بنایا ہے ان ظالموں نے!

دینی امور پر اجرت لینے کے لئے آیات قرآنی سے صرف نظر کر کے صحیح احادیث سے غلط استدلال کرنے کے ساتھ ساتھ ایک اور بات بڑے زور و شور سے کی جاتی ہے وہ یہ کہ عمر بن خطابؓ نے اپنے دورِ خلافت میں اماموں، موذنوں اور معلمین کی بیت المال سے تنخواہیں مقرر تھیں۔ اس غلط بات کو بڑی شدومد کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے اور یہ بات زبان زد عام ہے۔ درحقیقت یہ عمر بن خطابؓ پر صریح الزام اور بہتان ہے، ایک افسانہ ہے جو گھڑ کر ان سے منسوب کر دیا گیا ہے۔ دین کے

بیوپاری اس کے لئے آج تک ٹھوس علمی دلیل پیش نہیں کر سکے ہیں، جس قدر باتیں کی جاتی ہیں سب بے دلیل اور غیر مستند ہیں۔ عمر بن خطابؓ نے اپنے دورِ خلافت میں بہت سے انتظامی امور انجام دئے، نئے محکمے قائم کئے، اور کئی اہم شعبوں کی بنیاد رکھی، اسی میں آپ کا ایک کام یہ بھی تھا کہ آپ نے حکومتی فرائض انجام دینے والے "عمال" کی بیت المال سے باقاعدہ تنخواہیں مقرر کیں۔ امامت، موذنی اور معلّمی کی کوئی تنخواہ مقرر نہیں کی تھی۔ عمال (یعنی ریاستی امور سرانجام دینے والے اہل کار) کی تنخواہیں مقرر کرنے سے لوگوں نے دینی امور انجام دینے کی تنخواہ مقرر کرنے کا افسانہ گھڑا۔ حکومتی فرائض انجام دینے والے عمال کی تنخواہ سے موذن کی تنخواہ کا جواز نکالنے والوں کے متعلق الشوکانی فرماتے ہیں:

فقاس المؤذن علی العامل ، و ھو قیاس فی مصادمة النص (ترمذی بشرح احمد شاکر، جلد ۱، صفحہ ۴۱۱)

"موذن کو عامل پر قیاس کیا گیا ہے اور یہ قیاس نص سے متصادم ہے۔"

حقیقت یہ ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بے انتہا فتوحات ہوئیں، کفار کے بے شمار علاقے فتح ہو کر اسلامی مملکت میں شامل ہوتے رہے اور ان سے حاصل ہونے والے مالِ غنیمت اور دوسری مدات کی آمدنی کے مسجدِ نبوی میں ڈھیر لگے رہتے تھے جسے مملکت کی ساری رعایا میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ اس سارے مال کو ساری مملکت میں تقسیم کرنے پر اتنے پر عزم تھے کہ فرماتے تھے:

لولا اخرُ المسلِمین مافُتِحت قریة الا قسمتُها بینَ اھلِیھا کما قسمَ النبی ﷺ خیبَرَ (بخاری، کتاب الجھاد والسیر، باب الغنیمة لمن شھد الوقعة)

"اگر دوسرے مسلمانوں کا خیال نہ ہوتا تو جو بستی میں فتح کرتا اسکو فتح کرنے والوں میں تقسیم کر دیتا جیسا کہ نبی ﷺ نے خیبر کو تقسیم کر دیا تھا۔"

آپؓ نے اس مالِ غنیمت کی مملکت کے لوگوں میں تقسیم کے مختلف معیار مقرر کئے ہوئے تھے جس کا اندازہ ذیل کی دو روایات سے ہوتا ہے:

کان فَرَضَ للمھاجرین الاولینَ اربعةَ الافٍ فی اربعةٍ و فرض لا بن عمر ثلثة

الاف و خمس مائة فقيل لهٗ هو من المهاجرين فلمَ نقصتَه من اربعةِ الاف فقال انما هاجَر بهٖ ابواه يقول ليس هو كمَنْ هَاجَرَ بنفسِهٖ (بخاری، کتاب المناقب،ابواب بنیان الکعبة، باب هجرة النبی و اصحابه)

عمر رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے ہجرت کرنے والوں کے لئے چار قسطوں میں (سالانہ) چار ہزار مقرر کئے تھے۔ (لیکن) اپنے بیٹے (عبداللہ) کے لئے ساڑھے تین ہزار مقرر کئے۔ پوچھا گیا کہ وہ بھی تو اولین مہاجرین میں سے ہیں پھر آپ نے ان کے لئے کیوں کمی کی۔ بتایا کہ انکی ہجرت اپنے والدین کے ساتھ ہوئی، وہ اس کے برابر نہیں ہو سکتے جس نے خود سے ہجرت کی۔

کان عطآءُ البدریین خمسةَ الاف خمسةَ الافٍ و قال عُمَر لَاُفَضِّلَنَّهم علی مَن بعدَهم (بخاری، کتاب المغازی، ابواب البدر)

عمرؓ نے جنگ بدر میں شریک ہونے والے صحابہ کا سالانہ وظیفہ پانچ پانچ ہزار مقرر کیا تھا۔ عمرؓ کہتے تھے کہ میں انہیں انکے بعد والوں پر ضرور فضیلت دوں گا۔"

غور طلب بات ہے کہ یہ مہاجرین اولین واصحاب بدر کس مسجد کے امام تھے؟ کہاں موذن تھے؟ کون سے مدرسے میں قرآن وحدیث کی تعلیم دیتے تھے؟ کس کے نکاح پڑھاتے تھے؟ عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مہاجرین اولین اور جنگ بدر میں شرکت کرنے والے صحابہ کی تعداد سینکڑوں میں تھی لیکن مساجد چند ہی تھیں۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ وظائف امامت، موذنی، معلّمی یا کسی اور دینی خدمت کے معاوضے کے طور پر مقرر نہیں کئے گئے تھے بلکہ یہ وظائف عورتوں، مردوں، بچوں، بڑوں سب کو انکے ایمان، ہجرت اور شرکت غزوات میں سبقت کی نسبت سے دئے گئے تھے۔ کیا یہ عورتیں بچے بھی کسی مسجد کے امام و موذن تھے؟

اور اتنی وسیع مملکت کے لوگوں کو ہزاروں کے حساب سے فی کس سالانہ دینے والے خلیفة المسلمین کا اپنا کیا حال تھا؟ وفات کے وقت بیٹے سے فرماتے ہیں:

یا عبدَ اللہ بن عمر انظُر ما عَلَیَّ من الدَّیْن فحسَبوه فوجَدُوه ستةً و ثمانین اَلفا او نحوهٗ قال ان وفی لهٗ مال اٰل عُمَر فاَدِّهٖ مِن اَموالِهم والا فسَل فی بنی عَدی ابن کَعب فان لم تَفِ اموالُهم فسَل فی قریش ولاتَعْدُهم الی غیرهم فاَدِّعنِّی هٰذا المالَ (بخاری،کتاب المناقب، باب قصة البیعة والاتفاق علی عثمان)

"اے عبداللہ بن عمر! دیکھو مجھ پر کتنا قرض ہے؟" جب لوگوں نے آپ پر قرض کا حساب لگایا تو تقریباً چھیاسی ہزار نکلا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر فرمایا کہ اگر یہ قرض آل عمر کے مال سے ادا ہو سکے تو انہی کے مال سے ادائیگی کرنا، ورنہ پھر بنی عدی بن کعب سے کہنا، اگر ان کے مال سے بھی پورا نہ ہو سکے تو قریش سے کہنا، ان کے سوا کسی اور سے امداد طلب نہ کرنا اور میری طرف سے اس قرض کی ادائیگی کر دینا۔

اتنی بڑی مملکت کے امیر پر آخر اسقدر قرض کیسے ہوا؟ کیا بیت المال سے وہ کچھ نہیں لیتے تھے؟ اس سلسلے خود ان کا قول ملاحظہ ہو:

إني أنزلتُ مال الله مني بمنزلة مال اليتيم ، فإن استغنيتُ عَفَفْتُ عنه و إن افتقرتُ أكلتُ بالمعروف. (طبقات لابن سعد، جز ١٠، صفحه ٢٧٦)

"میں نے اللہ کے مال (بیت المال) میں اپنا حق ویسا ہی رکھا ہے جیسا کہ یتیم کے ولی کو یتیم کے مال میں ہوتا ہے۔ اگر میں غنی ہوں گا تو اس میں سے کچھ نہ لوں گا اور ضرورت مندی کی حالت میں معروف کے مطابق ہی لوں گا۔"

دین کو دکانداری اور بیوپار بنانے والوں کا طرز عمل قرآن و حدیث سے براہ راست متصادم ہے۔ یہ لوگ سب کچھ جانتے ہیں مگر مال و زر نے انکی آنکھیں خیرہ کر دی ہیں، آخرت سے قطعاً بے نیاز و بے پرواہ ہیں، بس دنیا کمانے میں لگے ہوئے ہیں۔ اس کمائی کو جائز ثابت کرنے میں ناکام رہتے ہیں تو طرح طرح کے شکوک و شبہات پیدا کرتے اور حیلے بہانے تراشتے ہیں۔ کبھی کہا جاتا ہے کہ امام مسجد میں امامت کرتا ہے وہ کہاں سے کھائے گا، کبھی کہا جاتا ہے کہ معلم جو دنیاوی کاموں سے فارغ ہو کر اپنے اوقات قرآن کریم کو پڑھانے کے لئے وقف کرتا ہے اس دوران وہ اپنی معاش پیدا نہیں کر سکتا، وہ کہاں سے کھائے گا؟ اپنی گزر بسر کسطرح سے کرے گا؟ کبھی کہتے ہیں کہ امام، موذن، مفتی اور معلم تو وقت کی اجرت لیتے ہیں، نماز، اذان، فتویٰ یا علم کی نہیں۔ ظالم اسی پر بس نہیں کرتے، بعض دیدہ دلیر تو یہاں تک کہتے ہیں کہ انبیاءؑ کہاں سے کھاتے پیتے تھے؟ اسطرح کی حیلہ سازی اور شوشہ بازی کی جاتی ہے اور یہی ان کا سہارا ہے۔ ان حیلوں اور شوشوں سے قرآن و حدیث کی ناجائز ٹھہرائی ہوئی چیزیں جائز ہونے سے رہیں۔ نماز ہر مسلم پر فرض ہے، بندگی کا انداز اور عبادت و طاعت ہے۔ عبادت و طاعت کا اجر اللہ کے پاس ہے اور آخرت میں ملنے والا ہے۔ نماز، عبادت اور طاعت فروش کیا قرآن کا مطالعہ نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ (البقرۃ ۲۷۷)

"اور جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں انکے لئے انکے رب کے پاس اجر ہے۔"

نماز جس کا اجر اللہ کے پاس ہے، امام صاحب چند ٹکوں کے عوض مسجد کی کمیٹیوں کے ہاتھوں فروخت کر دیتے ہیں۔ انکی طرف سے تنخواہ بڑھانے کا باربار مطالبہ کیا جاتا ہے۔ خوش الحان قاری اور چرب زبان خطیب کی ڈیمانڈ زیادہ ہوتی ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کسی دوسری مسجد کے منتظمین کی طرف سے کچھ زائد کی پیشکش پر یہ قاری، خطیب و امام صاحب کم منافع بخش جگہ کو خیرباد کہہ کر زیادہ والی کو اللہ کا فضل قرار دیتے ہوئے نئی مسجد و منبر کی ذمہ داری سنبھال لیتے ہیں۔ امام و خطیب صاحب کی کوشش ہوتی ہے کہ اپنی قرأت اور خطابت و وعظ سے انتظامیہ اور مسجد میں آنے والے لوگوں کو خوش رکھ سکیں۔ یہ پیشہ ور امام اور خطیب جب کسی مسجد میں ذمہ داری سنبھالتے ہیں تو سب سے پہلے مسجد کمیٹی اور نمازیوں کے مسلک اور رجحان کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور پھر "جیسا دیس ویسا بھیس" کے مقولے پر عمل کرتے ہیں۔ قرآن کے حافظوں کا معاملہ بھی پیشہ ور اماموں سے ذرا مختلف نہیں۔ ماہِ رمضان خاص ان کے لئے "خیر و برکت" کا مہینہ ثابت ہوتا ہے۔ ان حافظوں کی کوشش ہوتی ہے کہ کسی پوش علاقے کی مسجد میں صلوٰۃ التراویح پڑھانے کا "ٹھیکہ" مل جائے۔ ایسا ہو جائے تو سمجھئے کہ حافظ صاحب کی مراد بر آئی۔ اگر پوش علاقے میں اس قسم کا کوئی ٹھیکہ نہ ملے تو تب بھی انہیں کوئی قابلِ ذکر نقصان نہیں اٹھانا پڑتا۔ تمام ہی مساجد میں خواہ پوش علاقوں میں ہوں یا غریب بستیوں میں، "ختم قرآن" پر حافظ صاحب کو "کماحقہ" نقد نذرانے، تحفے تحائف اور کپڑے وغیرہ دئے جاتے ہیں۔ حافظ صاحب اس کو اپنا حق سمجھتے ہوئے خوشی خوشی قبول کرتے ہیں اور شیرِ مادر سمجھ کر ہضم کر جاتے ہیں۔ شبینہ، سہ روزہ، پنج روزہ وغیرہ ختم قرآن کے اضافی مواقع ان کے لئے "بونس اور اوور ٹائم" ثابت ہوتے ہیں۔

افسوس! صد افسوس! اس دین، عبادت و طاعت فروشی پر ان لوگوں نے کبھی یہ بھی سوچا کہ اپنی نمازیں تو انہوں نے فروخت کر دیں، وہ جو خود ان پر فرض تھیں ان کا کیا ہوا؟ وہ کہاں ادا ہوئیں؟ امام صاحب نماز کے اوقات میں امامت کرتے، باقی اوقات میں تو فارغ ہوتے ہیں، اس میں اپنے ہاتھ سے محنت کر کے اپنی معاش پیدا کریں۔ اپنے اور اپنے کنبہ کے لئے حلال رزق مہیا کرنا

بھی ان پر فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ نے معاش سے بے پرواہ ہو کر امامت کرنا تو فرض نہیں کیا ہے۔ اسی طرح کا معاملہ معلمین اور مفتیان دین کا ہے۔ قرآن و حدیث کا علم پھیلانا تو تبلیغ ہے اور تبلیغ پر معاوضہ لینا کسی صورت میں بھی جائز نہیں ہے۔ ہر مسلم پر فرض ہے کہ قرآن و حدیث کا علم سیکھے اور اس کو سکھائے۔ یہ بھی ایک مجاہدانہ عمل ہے کہ مسلم اپنے وقت اور اللہ کی عطا کردہ توانائیوں اور صلاحیتوں کے کچھ حصے کو معاشی ضرورتوں سے بچا کر دین سیکھنے اور سکھانے پر صرف کرے۔ اس کے لئے کچھ مفادات کی قربانی ناگزیر ہے۔ جب دین کے بنیادی تقاضوں پر عمل کرتے ہوئے ہر آدمی قرآن و حدیث سیکھے گا اور اسکو سکھائے گا تو ہر وقت اس کام میں مشغول رہنے کا بہانہ نہ بن سکے گا۔ قرآن و حدیث کو بطور پیشہ سیکھنے کے بجائے دین پر عمل کرنے اور کروانے کے لئے سیکھنا چاہئے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ خیر اور نیکی کی دعوت دینے والے کو عمل کرنے والے کے برابر ثواب ملتا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

من دل علی خیر فله مثلُ اجر فاعله (مسلم، کتاب الامارة، باب فضل اعانة الغازی)

"خیر و نیکی کا راستہ بتانے والے کو نیکی کرنے والے کے برابر اجر ملتا ہے۔"

غور فرمائیے! کتنا بڑا اجر وانعام ہے یہ، اور دنیا کی ساری دولت اسکے مقابلے میں بلاشبہ "ثمن قلیل" ہے۔

دین اور قرآن و حدیث کے علم کو اللہ کی رضا اور آخرت کے حصول کے لئے سیکھنا چاہئے، دنیا کمانے اور ریاکاری کے مقاصد کے تحت انکو سیکھنے والے قیامت کے دن جنت کی خوشبو تک نہ پا سکیں گے اور اس دن ان کا جو حال ہو گا وہ حدیث میں اسطرح بیان ہوا ہے:

عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ مَن تَعَلَّمَ علمًا مِمَّا يُبْتَغَى به وجه الله لايَتَعلَّمُه الا لِيُصيبَ به عَرَضًامن الدنيا لم يَجِدْ عرْفَ الجنة يوم القيمة يعني ريحَها (ابو داؤد، کتاب العلم، باب فی طلب العلم لغیر الله)

"ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو علم اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے سیکھا جانا چاہئے وہ اگر کوئی کسی دنیاوی غرض کے لئے حاصل کرے تو قیامت کے دن وہ جنت کی خوشبو تک نہ پا سکے گا۔"

ورجل تعلم العلم و علّمه وقرأ القرآن فأُتی به فعرّفه نعمه فعرفها قال فما عملتَ فيها قال تعلمت العلم و علّمته و قرأت فيك القران قال كذبت ولكنك تعلمت العلم ليقال عالم و قرأت القران ليقال هو قارئ فقد قيل ثم امر به فسحب على وجهه حتى القى فى النار (مسلم، کتاب الامارة، باب من قاتل للرياء والسمعة استحق النار)

ایک اور شخص ہوگا جس نے دین کا علم سیکھا اور سکھلایا اور قرآن پڑھا ہوگا، اسکو اللہ کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا، اسے تمام نعمتیں دکھائی جائیں گی، وہ انہیں پہچان لے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے ان کے بارے میں کیا عمل کیا (یعنی ان کا کیا حق ادا کیا)۔ وہ کہے گا کہ میں نے علم سیکھا اور سکھایا اور تیری خوشنودی کے لئے قرآن پڑھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو نے جھوٹ کہا، بلکہ تو نے صرف اس لئے علم سیکھا تھا کہ تجھے عالم کہا جائے اور اس لئے قرآن پڑھا تھا کہ تجھے قاری کہا جائے، سو تجھے کہا جا چکا۔ پھر حکم ہوگا اور اسے منہ کے بل گھسیٹتے ہوئے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

آج دین اور قرآن کو پیشے کے طور پر سیکھنے والے اور دنیاوی فائدے سمیٹنے والے باطل موقف کو حق ثابت کرنے کے لئے کیسی ہی چرب زبانی کیوں نہ کر لیں لیکن یوم التغابن انکی ایک نہ چلے گی۔ قیامت کے روز یہ اسے اللہ کی خوشنودی کی خاطر سیکھنے کا جھوٹ بولیں گے مگر اللہ کی بارگاہ میں ان کا جھوٹ نہ چلے گا۔ ان کے اعضاء بدن ان کے خلاف گواہی دیں گے۔

امت کے احبار و رهبان جو کہ دین کے بیوپاری بنے ہوئے ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنھم اجمعین کے نقش قدم پر چلنے کے بلند بانگ دعوے کیا کرتے ہیں مگر در حقیقت صحابہ کرامؓ کے طرز عمل کا ان میں شائبہ تک نہیں پایا جاتا۔ صحابہ کرامؓ سے بڑھ کر کون دین کو سیکھنے اور سکھانے والا تھا۔ مگر ان کا یہ حال تھا کہ اپنے ہاتھوں سے محنت کر کے کمایا کرتے تھے جیسا کہ درج ذیل احادیث سے واضح ہوتا ہے:

عن عُروة قال قالت عائشةُ كان اصحاب رسول الله ﷺ عُمّال انفسهم فكان يكونُ لهم اَرْواحٌ فقِيل لهم لواغْتَسَلْتُمْ (بخاری، کتاب البیوع، باب کسب الرجل وعمله بيده)

عروہؓ نے بیان کیا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کے صحابہ اپنے لئے مزدوری کیا کرتے تھے اور (زیادہ محنت مشقت کی وجہ سے) ان کے جسم سے پسینے کی بو آتی تھی، اس لئے ان سے کہا گیا کہ کاش تم غسل کر لیا کرتے۔

عن انس قال جاء ناس الی النبی ﷺ فقالوا ان ابعث معنا رجالاً یعلّمون القراٰن والسُّنّةَ فبعث الیهم سبعین رجلا من الانصار یقال لهم القراء فیهم خالی حرام یقرؤن القراٰن ویتدارسون باللّیل یتعلّمون و کانوابالنّهار یجیؤن بالماء فیضعونه فی المسجد ویحتطبون فیبیعونه و یشترون به الطعام لاهل الصفة و للفقراء
(مسلم ، کتاب الامارة، باب ثبوت الجنة للشهید)

انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ کچھ لوگ نبی علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے اور کہا کہ ہمارے ساتھ چند آدمی کر دیجئے جو ہمیں قرآن و سنت سکھلائیں۔ آپ نے انکے ساتھ ستر انصاریوں کو کر دیا جنہیں قراء کہتے تھے۔ ان میں میرے ماموں حرام بھی تھے۔ یہ قرآن کریم پڑھا کرتے تھے اور رات کو قرآن کے درس و تدریس اور سیکھنے میں مصروف رہتے اور دن میں پانی لاکر مسجد میں رکھتے اور (جنگل سے) لکڑیاں لاکر فروخت کر کے کھانا خرید کر اہل صفہ اور دیگر فقراء کو کھلایا کرتے۔

یہ تھا صحابہ کرامؓ کا طرز عمل جو دین کو سب سے زیادہ سیکھنے اور سکھانے والے تھے اور آخرت کے اجر کے سب سے زیادہ حریص تھے۔ انکا یہ طرز عمل کیوں نہ ہوتا جبکہ نبی ﷺ کی تعلیم و تربیت یہی تھی:

قال رسول الله ﷺ لَاَن یحتَطِب احدُکم حُزمَةً علٰی ظهرہٖ خیرٌلهٗ مِن اَن یسألَ احدًا فیُعطِیه اویمنعه (بخاری، کتاب البیوع، باب کسب الرجل و عمله بیدہ)

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ شخص جو لکڑی کا گٹھا اپنی پیٹھ پر لاتا ہے (تاکہ اسے بیچے اور اپنی روزی کمائے) وہ اس سے بہتر ہے جو کسی کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے چاہے وہ اسے کچھ دے یا منع کر دے۔"

قال النبی ﷺ لان یأخُذَ احدُکم اَحبُلَه خیر له مِن ان یَسألَ الناسَ (ایضاً)

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی اپنی رسی سنبھالے (اور لکڑیاں باندھ کر لائے تو) اس بات سے بہتر ہے کہ لوگوں سے سوال کرے۔"

عن المِقدام عن النبی ﷺ قال ماا کل احدٌ طعامًا قطّ خیرًا مِن ان یاکُلَ من عَمَل یَدہٖ و انّ نبیَّ الله داوٗدَ کان یاکُل من عَمَل یدیه (ایضاً)

مقدام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی انسان نے اس شخص سے بہتر روزی نہیں کھائی ہوگی جو خود اپنے ہاتھ سے کما کر کھاتا ہے۔ اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام بھی اپنے ہاتھ سے کام کر کے روزی حاصل کرتے تھے۔

صحابہ کرامؓ مال کے لئے سوال کرنے میں کسقدر حزم واحتیاط سے کام لیتے تھے اس کا اندازہ درج ذیل حدیث سے ہوگا:

انّ حَکیم بن حزام قال سألتُ رسول اللہ ﷺ فاَعْطانی ثم سَألتُہٗ فَاَعْطانی ثم قال لی یَا حکِیم ان ھٰذا المال خَضِر حُلْوۃ فمَن اخَذہٗ بسَخاوۃ نفسٍ بُورك لہٗ فیہ ومن اَخَذہ باشراف نفسٍ لم یُبارَكْ لہٗ فیہِ و کانَ کالذی یاکُل ولا یَشبَعُ والیَدُ العُلیَا خَیرٌ مِن الیَدِ السُّفلٰی قال حکیم فقلتُ یا رَسول اللہِ والذی بَعَثَكَ بالحقّ لااَرْزأ اَحَدًا بَعدَكَ شیئًا حتی اُفَارِقَ الدُّنیا فکانَ ابوبَکر یَدْعو حکیما لیعطیَہ العطآءَ فیابٰی ان یَقبَل منہ شیئًا ثم انّ عُمر دَعاہ لیُعْطِیَہ فاَبٰی ان یَقبَلَ منہ فقال یامعشَرَ المسلِمین انی اَعرِضُ عَلیہ حقَّہ الذی قسَم اللہ عزوجل لہ مِنْ ھٰذا الفَیٔ فیابٰی ان یاخُذَہ فلم یرزأ حَکِیم احدًا مِن الناسِ شیئًا بعدَ النبی ﷺ حتّٰی تُوُفِّی
(بخاری، کتاب الجھاد، باب ما کان النبی ﷺ یعطی)

حکیم بن حزامؓ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے کچھ مانگا، آپ نے عطا کیا، میں نے پھر مانگا، آپ نے پھر عطا کیا اور کہا کہ اے حکیم! یہ مال سرسبز و شیریں ہے (ظاہر میں بڑی میٹھی چیز ہے) جو اس کو لالچ کے بغیر لے تو اس میں برکت ہوتی ہے اور اگر طمع اور لالچ سے حاصل ہو تو اس میں برکت نہیں ہوتی بلکہ ایسا ہو جاتا ہے (جیسے جوع البقر کی بیماری میں ہوتا ہے) کہ ہر وقت کھائے جائے اور پیٹ نہ بھرے۔ اوپر والا (یعنی دینے والا) ہاتھ نیچے والے (یعنی لینے والے) ہاتھ سے بہتر ہے۔ حکیمؓ نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، اس کے بعد اب کسی سے نہیں لوں گا یہاں تک کہ اس دنیا سے ہی چلا جاؤں۔ پھر ابوبکرؓ انہیں (اپنے دور خلافت میں) عطیہ دینے کیلئے بلاتے تھے مگر وہ کچھ بھی قبول کرنے سے انکار کر دیتے۔ اسکے بعد عمرؓ (اپنے دور خلافت میں) انہیں کچھ دینے کے لئے بلاتے رہے مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ آخر عمرؓ نے (لوگوں کے اجتماع میں) کہا کہ اے مسلمانو! (تم گواہ رہنا) میں حکیم کو اس مال فے میں سے ان کا حصہ دیتا ہوں جو اللہ نے رکھا ہے لیکن وہ نہیں لیتے۔ غرض حکیمؓ نے نبی ﷺ کے بعد مرنے تک کسی سے کچھ نہیں لیا۔

یہ تھا وہ انداز معیشت جو نبی ﷺ نے اپنے صحابہ کرامؓ کو تعلیم فرمایا اور اسی کا نمونہ آپ ﷺ کے صحابہؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ (خیر القرون) نے پیش کیا۔ جو کچھ انہوں نے سیکھا اس پر خود بھی عمل کیا اور دوسروں کو بھی سکھایا لیکن کسی بھی صحابیؓ نے دین کو پیشہ نہیں بنایا۔ سب کے سب

اپنے ہاتھ سے کسب معاش کرنے والے تھے۔ چند نمونے ملاحظہ ہوں :

ان عائشةَ قالت لما استُخلِفُ ابوبکر الصدیقُ قال لقد علم قَومی اَنَّ حِرفتی لم تکُنْ تَعْجز عن مَؤنَةِ اھلِی و شُغِلتُ بامر المسلمین فسیأکُل اٰلُ ابی بکر من ھٰذ المالِ ویحترف للمسلمین فیہِ (بخاری، کتاب البیو ع، باب کسب الرجل و عملہ بیدہ)

عائشہ رضی اللہ عنھا نے بیان کیا کہ جب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے تو انہوں نے کہا کہ میری قوم جانتی ہے کہ میرا کاروبار میرے گھر والوں کی کفالت کے لئے ناکافی نہیں تھا، لیکن اب میں مسلمانوں کے کام میں مشغول ہو گیا ہوں، اس لئے ابو بکر کے گھر والے بیت المال میں سے کھائیں گے اور وہ (ابو بکرؓ) مسلمانوں کا مال تجارت سے بڑھاتا رہے گا۔

عمر رضی اللہ عنہ کا معمول بھی ملاحظہ ہو :

قال کنت انا و جارٌ لی من الانصار فی بنی اُمَیّة بن زید وھی من عَوالی المدینة و کنا نتناوب النزول علٰی رسول اللہ ﷺ ینزل یومًا و انزل یومًا فاذا نزلتُ جئتُہٗ بخَبَر ذلک الیوم مِن الوحی وغیرہ واذا نَزَلَ فعل مثل ذلک (بخاری، کتاب العلم، باب التناوب فی العلم)

فرمایا کہ میں اور میرا ایک انصاری پڑوسی دونوں بنی امیہ بن زید کے گاؤں میں جو مدینہ کے بلند علاقے میں ہے، رہا کرتے تھے، ہم دونوں باری باری نبی ﷺ کے پاس حاضر ہوتے تھے۔ ایک روز وہ آتا اور ایک روز میں۔ جس دن میں آتا تو اس دن (مجلس نبویؐ) کی وحی وغیرہ کی خبریں، اس کو بتاتا، اور جس دن اس کی حاضری ہوتی تو وہ بھی ایسا ہی کرتا۔

اور ظاہر ہے کہ وہ ایک دن کا ناغہ معاش کی مصروفیات کی وجہ سے کرتے تھے ورنہ مجلس نبویؐ سے غیر حاضری اور علوم نبوت سے دوری انہیں گوارا نہ تھی، اگرچہ وہ باتیں اپنے ساتھی سے انہیں بعد میں معلوم ہو جاتی تھیں۔ اپنے اس شوق اور اپنی غیر حاضری میں ہونے والی باتوں اور حدیثوں سے لاعلم رہنے پر افسوس کا اظہار انہوں نے اس موقع پر کیا جب ابو موسیٰ اشعریؓ نے انہیں بتایا کہ وہ اس لئے ان کے دروازے سے واپس ہو گئے کہ تین دفعہ سلام کرنے پر بھی جواب نہ آیا تھا اور یہی فرمان نبویؐ تھا۔ عمرؓ نے فرمایا :

اخَفِیَ عَلیّ من امر رسول اللہ ﷺ اَلھانی الصَّفقُ بالاَسواقِ یعنی الخُروجَ الی

 (بخاری، کتاب البیوع، باب الخروج فی التجارۃ)

"بازاروں کی خرید و فروخت یعنی تجارت کے لئے نکلنے نے نبی ﷺ کے اس حکم کو مجھ سے پوشیدہ رکھا۔"

عثمان رضی اللہ عنہ کا تجارت کرنا تو کسی سے بھی پوشیدہ نہیں۔ علی رضی اللہ عنہ کے کسب معاش کو جاننے کے لئے ان کے ولیمے کے معاملے کو پیش نظر رکھیں۔ آپؓ نے فرمایا :

فلمَّا اَرَدْتُ اَن اَبتَنِیَ بفاطمةَ بنتِ رسول الله ﷺ وَاَعَدتُ رجلاً صَوّاغًا مِن بنی قینُقاعَ اَن یرتَحِلَ مَعِیَ فناتی بِاِذخِرٍ اردتُ ان اَبیعَهُ مِن الصوّاغین واستعینَ بهٖ فی وَلیمةِ عُرسی (بخاری، کتاب البیوع، باب ما قیل فی الصواغ)

"جب میرا رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی کرا کے لانے کا ارادہ ہوا تو میں نے بنی قینقاع کے ایک سنار سے طے کیا کہ وہ میرے ساتھ چلے اور ہم اذخر گھاس (جمع کرکے) لے آئیں۔ کیونکہ میرا ارادہ یہ تھا کہ اسے سناروں کے ہاتھ بیچ کر اپنی شادی کے ولیمے میں اسکی رقم کو لگاؤں"

دیگر صحابہؓ کا معاملہ بھی اس سے مختلف نہیں تھا، جیسا کہ براء بن عازب رضی اللہ عنہ اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

کنا تاجَرین علٰی عهد رسول الله ﷺ .... (بخاری، کتاب البیوع، باب التجارۃ فی البز وغیرہ)

"ہم دونوں رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تاجر تھے......"

غرض تمام ہی کبار اور صغار صحابہؓ حکم نبوی کی روشنی میں اپنے ہاتھ سے اپنی روزی کماتے تھے اور کسی ایک نے بھی دین کو کھانے کمانے کا ذریعہ نہیں بنایا تھا۔

صحابہ کرامؓ کے طرز عمل پر چلنے والے اپنی روزی محنت، تجارت اور دیگر حلال ذرائع استعمال کر کے حاصل کرتے ہیں۔ دین کو پیشہ بنانے والے نہ قرآن وحدیث پر چلتے ہیں نہ صحابہ کرامؓ کے نقوشِ قدم پر۔ قرآن وحدیث کو چھوڑنے اور اسکی مخالفت کرنے والوں سے صحابہ کرامؓ کی پیروی کی توقع ہی عبث ہے۔

نماز پڑھانے کی اجرت لینے کے لئے ایک بہانہ یہ بھی بنایا جاتا ہے کہ نماز پڑھانے کی اجرت نہیں لی جاتی بلکہ جائے متعینہ پر وقت دینے کی تنخواہ لی جاتی ہے۔ جائے متعینہ پر وقت دینے کی اجرت لینے کا بہانہ احمقانہ شوشہ ہے۔ وقت محض امام صاحب ہی نہیں دیتے نماز ادا کرنیوالے تمام ہی لوگ

اقامت الصلوٰۃ کے لئے وقت دیتے ہیں۔ عبادت میں صرف ہونے والے وقت کو "CASH" کرانا عبادت نہیں، مزدوری و دکانداری ہے۔ درحقیقت عبادات اور طاعات پر اجرت وصول کرنے والوں کا آخرت اور آخرت میں ملنے والے اجر پر یقین ہی نہیں ہے اسی لئے تو یہ اس دنیا میں ملنے والے اجر پر اصرار کرتے ہیں۔ یہی ہیں وہ لوگ جن کے متعلق مخبر صادق نبی ﷺ نے خبر دی تھی:

سیجی اقوام یقیمونه کما یقام القدح یتعجلونه ولایتاجلونه (ابوداؤد، بحواله مشکوٰة، باب فضائل القرآن)

"عنقریب ایسی قومیں آئیں گی جو قرآن (کے زیر زبر) کو ایسے سیدھا کریں گی جیسے تیر کو سیدھا کیا جاتا ہے، (لیکن) قرآن کے اجر میں جلدی کریں گی اور اس کو آخرت پر نہ رکھیں گی۔"

آخرت کے اجر کے لئے حکم دیا کہ

یاأهلَ القرآنِ لاتتوسَّدوا القرآنَ وأتْلوهُ حق تلاوَة منْ آناءِ الليل والنَّهار، وأفشُوهُ وتغنّوْهُ و تدبَّرُوا مافيه لعلّكم تُفلحون ، ولاتعجّلوا ثوابه ، فإنَّ له ثوابا. (ایضاً)

"اے اہل قرآن! قرآن کو تکیہ نہ بناؤ، رات اور دن میں اس کی تلاوت کرو جیسا کہ اس کا حق ہے اور اس کو پھیلاؤ، اور اس کو خوش الحانی سے پڑھو، اور اس میں غور و فکر کرو تاکہ تم فلاح پاسکو، اور اسکے ثواب میں جلدی نہ کرو کیونکہ اس کا ثواب آخرت میں ہے۔"

اس آخرت کے اجر کے متعلق اللہ کی کتاب کہتی ہے:

وَلَانُضِيعُ اَجرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿﴾ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿﴾ (سورة يوسف ٥٦، ٥٧)

"اور ہم نیکوکاروں کے اجر ضائع نہیں کرتے اور جو لوگ ایمان لائے اور ڈرتے رہے ان کے لئے آخرت کا اجر بہت بہتر ہے۔

وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْكَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿﴾ (النحل ٤١)

"اور آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہے، کاش وہ (اسے) جانتے۔"

حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ کی آخرت کے اجر سے متعلق دعا اس طرح آئی ہے:

اللّٰهُمّ اِنَ الاَجرَ اَجرُ الاخرة (بخاری، کتاب المناقب، باب هجرة النبی ﷺ و اصحابه)

"اے اللہ اجر تو آخرت ہی کا اجر ہے۔"

مگر یہ بھی دراصل ان ہی کے لئے ہے جو "لاَعَیْشَ اِلاَّ عَیْشُ الْاٰخِرَۃِ" پر یقین رکھتے ہیں، نہ کہ ان کے لئے جو ان چند روزہ بہاروں ہی میں مست و مگن ہوں!

انسان آخرت طلبی کے جذبہ سے اللہ کے دین کو خالص کر کے دینی امور انجام دے اور اپنی معاش کے لئے حلال ذرائع کی کوشش کرے تو اللہ تعالیٰ ہر جاندار کو رزق عطا فرماتا ہے۔ دین کے ذریعے دنیا کمانے میں مگن یہ بناوٹی دیندار دنیا کے بندے بنے ہوئے ہیں، دنیا کی زندگی کو سب کچھ سمجھ بیٹھے ہیں۔ ایمان والے اللہ کی خوشنودی اور آخرت سنوارنا چاہتے ہیں، انکو آخرت کی جو لابدی پر پورا یقین ہے، وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انکے اعمال کا بھرپور بدلہ آخرت میں دے گا:

وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَکُمْ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۷۹﴾ (آل عمران ۱۷۹)

"اور اگر ایمان لاؤ گے اور پرہیز گاری اختیار کرو گے تو تمکو اجر عظیم ملے گا۔"

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ﴿۹﴾
(المائدۃ ۹)

"جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے، ان سے اللہ نے وعدہ فرمایا ہے کہ ان کے لئے بخشش اور اجر عظیم ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید انسانیت کی ہدایت و رہنمائی کے لئے نازل کی تھی تاکہ اس پر عمل کر کے آخرت کی بیش بہا نعمتوں کو حاصل کر سکیں، مگر ہوا یہ کہ اس قرآن کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنالیا گیا۔ قرآن جو راستہ بتاتا ہے ملاحظہ ہو:

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ وَ یُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِیْرًا ﴿۹﴾ وَّ اَنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ﴿۱۰﴾ (بنی اسرائیل ۹، ۱۰)

"یہ قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھا ہے اور مومنوں کو، جو نیک عمل کرتے ہیں، بشارت دیتا ہے کہ ان کے لئے اجر عظیم ہے۔ اور یہ بھی (بتاتا ہے) کہ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے انکے لئے ہم نے دکھ دینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔"

حدیث میں آیا ہے کہ

خیر کم من تعلّم القران و علّمه (بخاری، کتاب فضائل القران، باب خیر کم من......)

"تم میں سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔"

یہ خیر اور بہتری اسی صورت میں ممکن ہے جب خیر کو آخرت کے حصول کے لئے اٹھا رکھا جائے۔ دنیا میں چند ٹکوں کے عوض اسے بیچنے والے آخرت میں خیر پانے سے رہے۔ دین کے ذریعے دنیا کے طلبگاروں پر تو قرآن کا یہ اعلان صادق آتا ہے :

مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْلَهٗ فِىْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۙ وَمَالَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيبٍ ﴿﴾ (الشوری ۲۰)

"اور جو آخرت کی کھیتی چاہتا ہے کہ تو ہم اسکی کھیتی میں اضافہ کر دیں گے۔ اور جو دنیا ہی میں کھیتی طلب کرتا ہے تو ہم اس میں سے اسکو کچھ دیدیں گے مگر آخرت میں اس کے لئے کوئی حصہ نہیں۔"

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيهَا مَانَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰهَا مَذْمُومًا مَّدْحُورًا ﴿﴾ (بنی اسرائیل ۱۸)

"جو شخص دنیا کا خواہشمند ہو تو ہم اس میں سے جسے چاہتے ہیں اور جتنا چاہتے ہیں جلد دے دیتے ہیں، پھر اس کے لئے جہنم کو (ٹھکانہ) مقرر کر رکھا ہے جس میں وہ نفرین سن کر اور راندہ درگاہ ہو کر داخل ہوگا۔"

قبل اس کے کہ نبضیں ڈوبنے لگیں، غیب شہود ہو جائے اور پھر باطل موقف پر جمے رہنے کا خمیازہ بھگتنا ناگزیر ہو جائے، اللہ تعالیٰ حق کو حق سمجھ کر مان لینے اور باطل کو باطل سمجھ کر اس سے الگ ہو جانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

☆☆☆☆

اہل ایمان کے لئے تو قرآن و سنت کا فیصلہ ہی کافی ہے، لیکن دین کو دکانداری بنا لینے والے مسلک پرست لوگ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ بھی پیش نظر رکھیں :

قال ولا الاستیجار علی الاذان والحج و کذالامامة و تعلیم القران والفقه ولاصل ان کل طاعة یختص بها المسلم لایجوز الاستیجار علیه عندنا (الهدایه، صفحه ۲۸۷)

"اذان، حج، اسی طرح امامت اور تعلیم قرآن و فقہ پر اجرت طلب کرنا جائز نہیں۔ درحقیقت ہر وہ عبادت جو مسلمان کے لئے مخصوص ہے، اس پر اجرت لینا ہمارے نزدیک جائز نہیں۔"